مسلسل اشاعت کا ستائیسواں سال
جلد: ۲۷ شمارہ: ٦
جون ۲۰۰۷ء/جمادی الاول ۱۴۲۸ھ

ہدیہ فی شمارہ	-/25 روپے
سالانہ:	عام ڈاک سے: -/200 روپے
	رجسٹرڈ ڈاک سے: -/350 روپے
بیرونِ ممالک:	-/15 امریکی ڈالر سالانہ

دائرے میں سرخ نشان ممبر شپ ختم ہونے کی علامت ہے۔
زرِ تعاون ارسال فرما کر مشکور فرمائیں۔

نوٹ

رقم دستی یا منی آرڈر/بینک ڈرافٹ بنام "ماہنامہ معارفِ رضا" ارسال کریں، چیک قابلِ قبول نہیں۔
ادارہ کا اکاؤنٹ نمبر: کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 45-5214-حبیب بینک لمیٹڈ، پریڈی اسٹریٹ برانچ، کراچی۔

نوٹ: ادارتی بورڈ کا مراسلہ نگار/مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ (ادارہ)

25۔ جاپان مینشن، رضا چوک (ریگل)، صدر، پوسٹ بکس نمبر 7324، جی پی او صدر، کراچی 74400۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان
فون: 2725150-21-92+ فیکس: 2732369-21-92+
ای۔میل: mail@imamahmadraza.net ویب سائٹ: www.imamahmadraza.net

(پبلشر مجید اللہ قادری نے باہتمام حریت پرنٹنگ پریس، آئی آئی چندریگر روڈ، کراچی سے چھپوا کر دفتر ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل سے شائع کیا۔)

فہرست

''مقالہ نگار حضرات اپنی نگارشات ہر انگریزی ماہ کی ۱۰ تاریخ تک ہمیں بھیج دیا کریں، مقالہ تحقیقی، مع حوالہ جات ہو، ۵ صفحات سے زیادہ نہ ہو، کسی دوسرے جریدہ یا ماہنامہ میں شائع شدہ نہ ہو۔ اس کی اشاعت کا فیصلہ ادارہ کی مجلسِ تحقیق و تصنیف کرے گی۔''

(ادارتی بورڈ)

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کلام الامام امام الکلام الشاہ احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ السلام

بندہ ملنے کو قریبِ حضرتِ قادر گیا
لمعۂ باطن میں گمنے جلوۂ ظاہر گیا

تیری مرضی پاگیا، سورج پھرا الٹے قدم
تیری انگلی اٹھ گئی، مہ کا کلیجا چر گیا

تیری رحمت سے صفی اللہ کا بیڑا پار تھا
تیرے صدقے سے نجی اللہ کا بجرا تر گیا

تیری آمد تھی کہ بیت اللہ مجرے کو جھکا
تیری ہیبت تھی کہ ہر بُت تھر تھرا کر گر گیا

مومن ان کا کیا ہوا اللہ اس کا ہوگیا
کافر ان سے کیا پھرا، اللہ ہی سے پھر گیا

وہ کہ اُس در کا ہوا خلقِ خدا اس کی ہوئی
وہ کہ اس در سے پھرا اللہ اس سے پھر گیا

رحمۃ للعالمین آفت میں ہوں کیسی کروں
میرے مولیٰ میں تو اس دل سے بلا میں گھر گیا

میں ترے ہاتھوں کے صدقے کیسی کنکریاں تھیں وہ
جن سے اتنے کافروں کا دفعتاً منہ پھر گیا

کیوں جناب بوہریرہ تھا وہ کیسا جامِ شیر
جن سے ستر (۷۰) صاحبوں کا دودھ سے منہ پھر گیا

اللہ اللہ یہ علوِ خاص عبدیت رضاؔ
بندہ ملنے کو قریبِ حضرتِ قادر گیا

ٹھوکریں کھاتے پھروگے ان کے در پر پڑ رہو
قافلہ تو اے رضاؔ اول گیا آخر گیا

مدحِ پیغمبر میں ہیں رطب اللّساں احمد رضا

نذرانۂ عقیدت: قمؔر یزدانی

رازِ فطرت کے حقیقی ترجماں احمد رضا
ہیں رموزِ معرفت کے راز داں احمد رضا

آپ ہی مسند نشینِ محفلِ نعت نبی ﷺ
سرورِ کونین کے ہیں مدح خواں احمد رضا

ہیں ثنائے حق تعالیٰ میں مگن شام و سحر
مَدحِ پیغمبر میں ہیں رطب اللساں احمد رضا

مفتیِ دوراں، فقیہِ نکتہ داں، گنجِ علوم
حکمت و عرفاں کے بحرِ بیکراں احمد رضا

جانشینِ غوثِ اعظم رحمۃ اللہِ علیہ
خادمِ اسلام، مخدومِ جہاں احمد رضا

عارفِ کامل، ولیِ باصفا، قطبِ زمن
ہیں مجدّد اور محدّث بے گماں احمد رضا

گلستانِ قادریت آپ سے ہے پُر بہار
درحقیقت ہیں بہارِ بے خزاں احمد رضا

ہیں وہ سرتاجِ افاضل، عالمِ علمِ کلام
شارحِ قرآن، یکتائے زماں احمد رضا

آپ سے نسبت پہ کیوں نہ فخر ہو مجھ کو بھی، جب
ہر عقیدت کیش پر ہیں مہرباں احمد رضا

جس سے روشن ہے جہانِ قادریت اے قمؔر!
ہیں وہ حق کے آفتابِ ضوفشاں احمد رضا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اپنی بات

اے شیخِ حرم برسرِ منبر تری یہ شعلہ بیانی

صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری کے قلم سے

قارئین کرام!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ان ہمارے پیارے ملک اسلامی جمہوریہ پاکستان میں امام کعبہ، شیخ القرآن الشیخ ڈاکٹر عبد الرحمٰن السدیس بن عبد العزیز صاحب رونق افروز ہیں جو حکومتِ پاکستان کی دعوت پر تشریف لائے ہوئے ہیں اور تادم تحریر یہاں کے مختلف دینی اداروں کے پروگراموں میں شریک ہو چکے ہیں نیز اعلیٰ حکومتی شخصیات سے ملاقاتیں کر چکے ہیں۔ وہ جہاں جاتے ہیں مسلمانانِ پاکستان ان کا والہانہ استقبال کرتے ہیں اور کرنا بھی چاہئے کہ مسلمانانِ برصغیر ایشیائے کوچک اپنے آقا و مولیٰ، تاجدارِ حرم، شہنشاہِ عرب و عجم سید عالم ﷺ اور ان سے منسوب ہر شے سے والہانہ محبت کرتے ہیں اور حرمین شریفین کی حفاظت کے لیے اپنی جان قربان کرنا سعادت سمجھتے ہیں کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ ارشاد فرما کر:

لَآ اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِ O وَاَنۡتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الۡبَلَدِ O

(البلد ۹۰: ۱ تا ۲)

(مجھے اس شہر کی قسم کہ اے محبوب تم اس شہر میں تشریف فرما ہو)

روئے زمین کے تمام مسلمانوں کو حرمین شریفین سے محبت اور اس کے احترام کی تعلیم دی ہے۔ لہٰذا امام کعبہ (کسے باشد) سے مسلمانوں کا اظہارِ محبت و عقیدت ایک فطری عمل ہے۔ اس میں امامِ کعبہ کی دستارِ فضیلت اور جبۂ مبارکہ کے اندر ملفوف شخصیت کی ذاتی حیثیت کا دخل نہ ہونے کے برابر ہے۔ بلکہ ان کا والہانہ استقبال کرنے والے ہزاروں مسلمانوں کو یہ بھی معلوم نہیں ہوگا کہ اس قدر قیمتی، خوبصورت، لباس اور عباء سے مزین اس شخصیت کا نام کیا ہے؟ سعودی حکومت سے حرم شریف میں امامت و خطابت کے عوض ان کو کس قدر بھاری رقم بطورِ تنخواہ ملتی ہے؟ اس عظیم منصب پر فائز ذاتِ گرامی کا طرزِ زندگی درویشانہ ہے یا شاہانہ؟ اور رنگ، ونسل، مسلک و مشرب کے اعتبار سے ان کی پہچان کیا ہے؟ وہ تو صرف یہ جانتے ہیں کہ ہمارے آقا و مولیٰ سید عالم ﷺ کی جائے ولادت کے متبرک شہر مکۃ المکرمہ سے ان کا تعلق ہے اور بس! اسی لیے پاکستان میں ہمارے محترم مہمانانِ گرامی نے اپنی اس والہانہ محبت کا بھی خوب فائدہ اٹھایا۔ حکومت اور عوام نے ان کا والہانہ استقبال کر کے صاحبِ اسلام اور مرکزِ اسلام سے اپنی پُرخلوص عقیدت و محبت کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ وہ جہاں جہاں بھی تشریف لے گئے، وہاں انہوں نے مسلمانانِ پاکستان کو پند و نصائح سے نوازا۔ جن امور کی طرف انہوں نے توجہ دلائی، ان سے کوئی مسلمان اختلاف نہیں کر سکتا۔ مثلاً:

۱۔ مسلمانوں کو اپنی اصلاح و فلاح کے لیے قرآن مجید سے روشنی حاصل کرنی ہوگی۔

۲۔ ملت کے اتحاد و اتفاق اور اسلامی دنیا کے مسائل کے حل کے لیے اجتماعی کوششیں کرنی ہوں گی۔

۳۔ گروہی اور فرقہ وارانہ اختلافات سے گریز وقت کا تقاضہ ہے۔ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔

۴۔ ایمان و عقیدہ میں پختگی اور احکاماتِ اسلامی پر پابندی سے عمل

کرتے ہوئے ہم مسلمانوں کو سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کرنی ہوگی۔

(واضح ہو کہ آج سے تقریباً سو سال قبل امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ اس نکتہ کی طرف نہایت شدّ و مد کے ساتھ مسلم سائنسدانوں، اسکالرز، محققین اور علمائے وقت کی توجہ دلا چکے ہیں۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ آج سو سال بعد سرزمینِ حرمینِ شریف سے یہ اسی کی بازگشت ہے۔)

۵۔ جدید بین الاقوامی حالات کے تناظر میں حکمت و بصیرت کے ساتھ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی ضرورت ہے تا کہ اسلام کے خلاف مغرب کی غلط فہمیاں دور ہوں۔

۶۔ اسلام کا دہشت گردی سے کوئی تعلق نہیں۔

۷۔ ''لال مسجد'' والے معاشرہ کی اصلاح اور کفار و مشرکین سے جہاد کے لیے شرعاً مکلف نہیں۔ وہ صدر پرویش مشرف کے انتباہ پر لال پیلے نہ ہوں۔ یہ حکومت وقت کا کام ہے، انہیں ہی کرنے دیں۔

۸۔ اسلام امن و سلامتی کا پیامبر ہے۔ دہشت گرد مسلمان نہیں ہیں۔

یہ تو وہ امور ہیں جن میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے کہ جس سے کسی کو کوئی اختلاف کی گنجائش ہو لیکن شیخ حرم کی صدرِ مملکت جنرل پرویز مشرف سے ملاقات کے بعد کچھ ایسے امور بھی امامِ حرم کے حوالے سے اخبارات کی شہ سرخیوں کی زینت بنے جن کو پڑھ کر پاکستانی عوام انگشت بدنداں رہ گئے کہ امامِ کعبہ نے پاکستان کے اندرونی سیاسی امور اور معاملات پر اظہارِ خیال کرنا اور فتویٰ دینا شروع کردیا۔ امام کعبہ نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ صدر پرویز مشرف کی حفاظت فرمائے اور انہیں حاسدوں کے شر سے محفوظ رکھے۔ اخبارات میں اس قسم کے ان کے دیگر ارشادات بھی شہ سرخی بنے۔ انہوں نے فتویٰ یا کہ ''حکومتِ وقت اور صدرِ مملکت کی اطاعت سب پر لازم ہے۔'' وغیرہ وغیرہ۔ امامِ حرم کے اس قسم کے سیاسی بیانات اور فتووں نے جہاں صدر پرویز کے حامی حلقوں کو نہال کردیا، وہاں ان کے مخالفین خاص طور پر چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری صاحب کی حمایت میں مہم چلانے والی سیاسی پارٹیوں اور ان کے حامیوں کو شدید تعجب اور غم و غصہ میں مبتلاء کردیا۔ بلکہ انہی کے ہم مسلک و ہم عقیدہ معروف کالم نگار جناب عطاء الحق قاسمی نے جو اس سے قبل امامِ حرم کا نہایت ادب و احترام کے ساتھ نام لے رہے تھے، اس پر فوری ردِّ عمل ظاہر کرتے ہوئے تحریر کیا کہ ''شیخ حرم نے صدر پرویز کے خلاف سیاسی تحریک چلانے والے عوام اور سیاسی رہنماؤں کو حاسد قرار دیا ہے اور آمریت کے حق میں دعا دی ہے۔'' ملک کے ایک اور بڑے کالم نگار نے شیخِ حرم کے بیانات کو ایک ''سرکاری ملازم'' کے افکار قرار دیا ہے۔ (واضح ہو کہ شیخ حرم موصوف حکومت سعودیہ کے ایک تنخواہ دار ملازم ہیں۔)

بہر حال! شیخ حرم کے اس قسم کے بیانات سے بہت سے لوگوں کے دل افسردہ اور آنکھیں نمناک ہیں اور مہمان ''مردِ حق'' کے لیے ہمارے ملک میں جو احترام و محبت کی فضاء بنی تھی، اب وہ مکدر ہوتی نظر آرہی ہے۔ علامہ اقبال نے سچ فرمایا:

سینۂ افلاک سے اٹھتی ہے آہِ سوز ناک
مردِ حق ہوتا ہے جب مرعوب سلطان و امیر

عوام نے شیخ حرم محترم کا جو والہانہ استقبال کیا وہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ وہ ایک مقدس سرزمین کہ جہاں پیدائشِ مولیٰ کی دھوم ہے، کے منسوب کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے جگہ جگہ جمع ہوئے۔ انہیں اس سے غرض نہیں تھی کہ جو صاحب شیخ حرم کی مقدس عباء میں تشریف لائے ہیں، ان کے ذاتی کوائف کیا ہیں۔ لیکن ہمارے ملک کے پڑھے لکھے طبقے کے افراد اور الیکٹرونک اور پرنٹ میڈیا کے احباب بشمول کالم نگار حضرات کو تو ان تمام باتوں کا علم ہے۔ پھر وہ اس بات کو کیوں نہ سمجھ سکے کہ ہمارے مہمان محترم ع

وہ آئے نہیں بلائے گئے ہیں

مدرسہ جامعہ اشرفیہ، لاہور کے ساٹھ سالہ جشنِ تاسیس کا اسٹیج ہو یا ایوانِ صدر کی ضیافت گاہ، یہ سب ایک سوچے سمجھے منصوبے کی بساط گاہ تھی ورنہ آپ سوچیں کہ جن شیخ حرم کے نزدیک سید عالم ﷺ کا جشنِ ولادت منانا اور اس کے لیے تعینِ تاریخ ووقت وجگہ دونوں حرام ہوں وہ تعینِ تاریخ و وقت اور جگہ کے ساتھ اس جشن ساٹھ سالہ میں شرکت کی حرام دعوت کو قبول فرما رہے ہیں ؎

ناطقاں سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے؟

قارئین کرام! جب مدرسۂ اشرفیہ (لاہور) کی بات چل نکلی ہے تو یہ بھی وضاحت کر دی جائے کہ ان حضرات اور ''لال مسجد'' والوں کے اگرچہ پیرانِ کرائم ایک ہی ہیں لیکن ان کے رنگ علیحدہ ہیں۔ ''لال مسجد'' والے بات بات پر کبھی لال کبھی پیلے کبھی دونوں ہوتے رہتے ہیں لیکن ''اشرفیہ'' والے چونکہ نہایت سادہ لوح اور مخلص قسم کے ''صلح کلی'' ہیں اس لئے سفید رنگ کو پسند کرتے ہیں لیکن چونکہ ملک کے ''سفید و سیاہ کے مالک'' اشرفیہ سے روز تاسیس سے ان کے گہرے روابط و مراسم رہے ہیں اس لیے کبھی یہ سیاہ عمامے اور جبے بھی استعمال کر لیتے ہیں۔ البتہ کبھی یہ سیاسی جبہ و عمامہ کے اوپر نظر آتی ہے اور کبھی اندر سے جھلکتی ہے۔ غرض کہ یہ باعمل حضرات آج کی دو عملی کے دور میں نہایت سختی سے حالی پانی پتی کی اس ہدایت پر عمل پیرا ہیں ؎

چلو تم ادھر کو، ہوا ہو جدھر کی!

قارئین کرام! آپ کو یاد ہوگا کہ چند ماہ قبل وفاقی وزیر مذہبی امور کے حوالے سے یہ خبریں اخبارات میں آئی تھیں کہ موصوف نے اسلام آباد کی ''لال مسجد'' کے معاملات کے حوالے سے ''امام کعبہ'' سے فتویٰ حاصل کر لیا ہے۔ امام صاحب جلد دوبارہ بطورِ مہمانِ حکومت پاکستان تشریف لائیں گے تو اس موضوع پر اظہارِ خیال فرمائیں گے۔ تو ظاہر ہے کہ ان کی آمد کا مقصد حکومتِ وقت کو سیاسی فائدہ پہنچانا ہی تھا۔

اب رہا اس کا رونا کہ انہوں نے ہمارے ملک میں آمریت کی تائید کی ہے، یہ امر فضولی ہے۔ تاریخِ نجد و حجاز پر نظر رکھنے والے تمام ذی شعور حضرات جانتے ہیں کہ سعودی مملکت کی بنیاد دو خانوادوں کے معاہدے اور شراکتِ عمل سے وجود میں آئی۔ آلِ سعود اور آلِ شیخ (شیخ محمد بن عبدالوہاب کا خاندان)۔ آلِ سعود حکومت کا سیاسی نظام چلانے کے ذمہ دار ہیں جب کہ آلِ شیخ مذہبی امور کی انجام دہی پر مامور ہیں۔ ان لوگوں نے حجازِ مقدس کو تاراج کیا، وہاں کے مسلمانوں پر کفر و شرک کے فتوے لگائے اور عوام تو عوام، علماء کو تہہِ تیغ کیا۔ جب نجد و حجاز میں ایک نئی مملکت کی بنیاد رکھی گئی تو اسلام کے شیدائی اور مجاہد ہونے کا دعویٰ کرنے والوں کے لیے یہ سنہری موقع تھا کہ وہاں خلافتِ راشدہ کے نمونے کی جمہوری حکومت قائم کی جاتی (جیسا کہ اس وقت کے صوبۂ نجد کے حکمران ملک عبدالعزیز نے پوری مسلم امہ سے وعدہ فرمایا تھا جس کا تحریری ثبوت ہندوستان کی خلافت کمیٹی اور حجاز مقدس کے آثارِ مقدسہ بچاؤ کمیٹی کے ارکان علامہ سید سلمان ندوی اور مولانا محمد علی جوہر کے پاس تھا اور ''تاریخِ نجد و حجاز'' مصنفہ مفتی عبدالقیوم ہزاروی میں شائع ہو چکا ہے۔) لیکن دنیا نے دیکھا کہ حرمین شریفین کی مقدس سرزمین پر ہزاروں معصوم اور بے گناہ مسلمانوں کا خون بہانے اور صحابۂ کرام اور صالحین امت کے تمام مزارات کو تاراج کرنے کے بعد وہاں ''جلالۃ ملک'' (آلِ شیخ) کی شہنشاہیت قائم کی گئی۔ گستاخی معاف! یہ شیخانِ حرم اسی شہنشاہیت کے سائے میں پلے بڑھے ہیں۔ یہ جمعۃ المبارکہ کا خطبہ بھی اپنے الفاظ میں نہیں دے سکتے بلکہ شہنشاہِ وقت کی طرف سے تحریر شدہ خطبہ پڑھنے کے مکلف ہیں۔ تو ملوکیت کے سائے میں پروردہ شیخانِ حرم سے آمریت کے خلاف فتویٰ کی توقع ایسا ہی ہے جیسے خارزار زمین پر کوئی نسترین و نسترن، چمپا، چنبیلی اور گلاب کے چمنستان کھلنے کی امید لگائے۔

پرنٹ میڈیا اور الیکٹرونک میڈیا کے نمائندے ہمارے ملک میں آزادئ صحافت، آزادی تحریر وتقریر، غیر جانبدار اور آزاد عدالتی نظام جس میں انسان کے بنیادی حقوق کی ضمانت ہو، کی آئے دن رٹ لگاتے ہیں، ٹی۔وی پر مذاکرات منعقد ہورہے ہیں، حقوقِ انسانی کی انجمنیں اور سیاسی پارٹیاں اور اکیڈیمیات سیمینار منعقد کررہی ہیں۔لیکن حیرت کی بات ہے کہ جب ہمارے محترم مہمان شیخ حرم نے پریس کانفرنس منعقد کی تو کسی صحافی نے ان سے ان کے ملک کے سیاسی، معاشی اور عدالتی نظام مذہبی ومسلکی تعصب پر مبنی اور شخصی آزادی اور اظہارِ رائے پر قدغن لگانے والے جبر وظلم کا مذہبی پولیس (متوہ) نظام کے متعلق کوئی سوال نہیں کیا۔ حالآنکہ حال ہی میں اخبارات میں عالمی حقوق انسانی کی انجمن کے حوالے سے ایک خبر شائع ہوئی ہے کہ سعودی عرب کی مذہبی پولیس سے سنگین قسم کی حقوقِ انسانی کی خلاف ورزیاں مشاہدے میں آئی ہیں۔اس پولیس کو کسی بھی شہری کے گھر میں گھسنے اور موقع پر معاشرتی جرم پر سزا دینے کے وسیع اختیارات ہیں۔مذہبی پولیس جس کا جا وبے جا استعمال کرتی رہتی ہے اور ان کے تشدد سے کئی اموات بھی واقع ہوچکی۔اس سلسلہ میں حقوقِ انسانی کی انجمن نے حکومت سعودیہ پر زور دیا ہے کہ وہ مذہبی پولیس کے اختیارات کو کم کرے اور گھروں میں گھس کر تشدد کرنے، لوگوں کو تشدد کرکے ہلاک کرنے والے پولیس اہلکار کے خلاف مقدمہ قائم کرکے تادیبی کاروائی کرے۔تفصیلات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مذہبی پولیس مذہبی ومسلکی تعصب اور سعودی اور غیر سعودی کے حوالے سے بھی لوگوں کو تشدد کا نشانہ بناتی ہے اور اس کے خلاف کسی بھی عدالت میں سنوائی نہیں ہوتی۔ضرورت تھی کہ شیخ حرم سے درج ذیل سوالات پوچھے جاتے:

۱) کیا اسلام کے سیاسی نظام میں ملوکیت اور شخصی نظامِ حکومت کی گنجائش ہے؟

۲) کیا ملک کے افرادی، پیداواری اور معاشی وسائل پر شخصِ واحد، یا اس کے خاندان، یا ایک مخصوص گروپ کا قبضہ اور اس میں اپنا من مانا تصرف اسلامی شریعت کی رو سے جائز ہے؟

۳) کیا سعودی عرب کے نظامِ عدل کے تحت اور وہاں کے قانون کے تحت عام شہری کے حقوق ومراعات وہی ہیں جو وہاں کے شاہی خاندان کو حاصل ہیں؟

۴) کیا خلفائے راشدین کی طرح ''جلالۃ الملک'' اعلیٰ عدالت یا پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ ہیں یا انہیں اس کے برعکس مکمل تحفظ حاصل ہے؟

۵) کیا وہاں کی اعلیٰ عدالتیں ملک کے آئین کی تشریح کرنے کی مجاز ہیں؟

۶) کیا معاشی استحصال اور حقوقِ انسانی کی خلاف ورزی کے معاملے میں ''جلالۃ الملک'' سمیت ہر شخص عدالت کی نظر میں برابر ہے اور اس سے جواب طلبی ہوسکتی ہے؟

۷) شیخ حرم محترم نے مسلمانانِ پاکستان کو فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور بین المسلمین اتحاد کو فروغ دینے کا مشورہ دیا ہے جو ایک اچھی بات ہے۔مملکت سعودیہ میں بھی مختلف مسالک کے افراد آباد ہیں، مثلاً اہلِ سنت، شیعہ، وہابی، پھر مذہب کے حوالے سے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی وغیرہ۔کیا شیخ حرم کے ملک میں تمام مذاہب ومسالک والوں کو اپنے اپنے فقہ اور عقیدوں کے مطابق زندگی گذارنے کی کھلی آزادی حاصل ہے؟

۸) اگر جواب ہاں میں ہے تو پھر یہ بتایا جائے کہ ایک ہی مسلک و مذہب کے امام کی اقتداء میں دوسرے مسلک و مذہب والوں کو نماز پڑھنے کے لیے مجبور کیا جانا اور انکار یا نمازِ باجماعت (ثانی) کے اہتمام پر مذہبی پولیس والے اس کو گرفتار کرکے پابندِ سلاسل کیوں کرتے ہیں؟ اور قاضی فوری طور پر انہیں قید وبند کی سزا کیوں سنادیتا

ہے؟ کیا شخصی آزادی سلب کرنے کی یہ بدترین مثال نہیں ہے؟

۹) شیخ حرمِ محترم آپ نے قیامِ پاکستان کے دوران جہاں جہاں تقریریں کی ہیں آپ نے بڑے زوردار الفاظ میں پاکستان میں موجود تمام فرقوں کو اتحاد و اتفاق سے رہنے کی تلقین کی ہے اور تمام فرقوں کو مسلمان تسلیم کرتے ہوئے انہیں عالمی سطح پر ملی یکجہتی کا مظاہرہ کر کے معاشیات اور سائنسی میدان میں ترقی کرنے کا نیک مشورہ دیا ہے، ہم اس کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ لیکن دیکھا گیا ہے اور اس پر کثیر شہادتیں پیش کی جاسکتی ہے کہ آپ کے ملک میں ''وہابی'' عقیدے کے علاوہ تمام دیگر مسالک کے لوگوں کو بلاتکلف مشرک قرار دیا جاتا ہے اور انہیں اپنے مسلک اور عقیدے کی تبلیغ کی آزادی تو بڑی بات ہے اپنے عقیدہ کے اظہار کی بھی آزادی نہیں۔ چنانچہ اپنے مسلک اور عقیدہ کے اعتبار سے عبادات اور اپنی مذہبی رسوم ادا کرنے والوں (بالخصوص اہلِ سنت و جماعت کے افراد) کو آپ کی مذہبی پولیس والے گرفتار کر کے نہ صرف یہ کہ تشدد کا نشانہ بناتے ہیں بلکہ جبر اور ظلم کر کے اسے اپنا عقیدہ اور مسلک چھوڑنے پر مجبور کرتے ہیں ورنہ اسے جیل کی نہایت تنگ و تاریک کوٹھری میں بند کر کے اس کے مرنے کا انتظار کرتے ہیں اور آپ کی مذہبی پولیس کے اس ظلم کے خلاف آپ کے ملک کی کسی عدالت میں اپیل بھی نہیں ہوسکتی۔ اور اگر اتفاق سے وہ شخص غیر سعودی ہے یعنی اس کا تعلق برصغیر پاک و ہند و بنگلہ دیش سے ہے تو خواہ کتنی ہی بڑی علمی اور روحانی شخصیت کیوں نہ ہو، آپ کی حکومت اسے جیل کی سزا بھگتنے کے بعد اس کا خروج کرا دیتی ہے خواہ وہ حج وعمرہ کا زمانہ ہی کیوں نہ ہو، وہ شخص احرام کی حالت ہی میں کیوں نہ ہو، آپ کی مذہبی پولیس والے اس پر بالکل ترس نہیں کھاتے۔ ناگفتہ بہ ظلم اور تشدد کے علاوہ ایک مسلمان کی حیثیت سے حج وعمرہ ادا کرنے کا اس کا جو بنیادی حق ہے، اس سے آپ اسے محروم کر دیتے ہیں، تو آپ کے قول وفعل میں یہ تضاد کیوں ہے؟

۹) جس بات کی تلقین آپ پاکستان کے مسلمانوں کو کر رہے ہیں آپ اس کا مظاہرہ اپنے ملک میں کیوں نہیں کرتے کیوں کہ بطور امامِ حرم آپ کی تقریری بھی اسی مذہبی نظام کا ایک حصہ ہے جس کے ماتحت مذہبی پولیس آتی ہے۔ اس لیے اگر آپ کی یہ باتیں حقیقت اور صداقت پر مبنی ہیں تو آپ نے اپنے مذہبی اور سیاسی نظام کی اصلاح کی کوشش کیوں نہ کیں اور اگر آپ نے کی لیکن آپ کی سنوائی نہ ہوئی تو آپ ایسے ظالمانہ اور جابرانہ نظام کا حصہ بن کر اسلام کی کون سی خدمت انجام دے رہے ہیں؟

۱۰) کیا آپ کے ملک کے نظامِ تعلیم میں دوسرے مسالک و مذاہب کی تعلیم کی گنجائش ہے یا سب کو وہابیت کا ہی نصاب پڑھنے پر مجبور کیا جاتا ہے؟

۱۱) اگر آپ کی نظر میں مسلمانوں کے تمام فرقہ برابر ہیں اور آپ سب کو ملت کا حصہ سمجھتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ برصغیر پاک و ہند و بنگلہ دیش اور دیگر ممالک میں آپ کی حکومت مساجد اور دینی مدارس کی تعمیر کے لیے جو مالی اعانت فرماتی ہے، وہ صرف اہلِ حدیث، دیوبندی اور جماعتِ اسلامی کے فرقوں کے لیے کیوں ہے؟ اہلِ سنت و جماعت کے افراد سے یہ امتیازی سلوک کیا آپ کے قول وفعل کا کھلا تضاد نہیں؟

درج بالا سطور کے لکھنے کا مقصد صحافی برادری اور میڈیا کی توجہ اس طرف مبذول کرانا مقصود ہے کہ آپ سب سے زیادہ آزادیٔ اظہارِ رائے، آزادیٔ صحافت، میڈیا کی آزادی، اطلاعات کی بہم رسانی سب کا بنیادی حق ہے اور حقوقِ انسانی کے تحفظ کا نعرہ بلند کرتے ہیں اور عدلیہ کی مقننہ سے آزادی کے حق میں آواز اٹھاتے ہیں اور بجا طور پر یہ سب کرتے ہیں۔ لیکن دیکھا گیا ہے کہ جب شیخانِ حرم یا آلِ شیخ کے خانوادے کی کوئی شخصیت پاکستان بطور مہمان آتی ہے تو میڈیا کے حضرات ان خادمانِ حرمین شریفین سے اس قسم کے سوالات کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ وہ ان سے یہ سوال کیوں نہیں پوچھتے کہ آپ کے ملک اور اس کے آئین کو تو اسلام کے دورِ اول والے خلافتِ راشدہ کے

عادلانہ، رفاہی، فلاحی، سیاسی، معاشی، معاشرتی اور عدالتی نظام کا نمونہ (Model) ہونا چاہیے تھا۔ لیکن گذشتہ سو سال سے آپ کے ملک میں ملوکیت، جبر واستیصال اور قبائلی، مذہبی، مسلکی وطبقاتی امتیازات پر مبنی سیاسی ومعاشرتی نظام قائم ہے۔ کیا وجہ ہے کہ آپ دنیا بھر کے مسلمانوں کو یکجہتی اور اسلامی شریعت کے نظام کے تحت زندگی بسر کرنے کی تلقین کرتے ہیں لیکن خود اپنے ملک میں اور اپنے اوپر اس نظام کو جاری و ساری نہیں کرتے؟

امام حرم اور شیخ حرم ہونا ایک بہت بڑا منصب ہے، دنیا کے کروڑوں مسلمان ان سے مذہبی اور سیاسی طور پر رہنمائی کی توقع رکھتے ہیں۔ اس لیے اس منصب پر فائز شخصیات پر بھی لازم ہے کہ سچائی، دیانتداری، نیک نیتی اور اسلام کے نظامِ عدل واحسان سے واقفیت اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور اس کے رسولِ مکرم ومحتشم ﷺ سے محبت کا جو کم سے کم معیار ہے اس پر پوری اتریں۔ جو لوگ ان تقاضوں کو پورا نہیں کرتے وہ بلاشبہ امانت کے ضائع کرنے والوں میں سے ہیں۔ قیامت کے دن رسوائی ان کا مقدر ہے۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شیخانِ حرم کی مجلس میں میڈیا کے سارے ہی فرد وہابی بن جاتے ہیں یا پھر وہاں بلائے ہی وہابی جاتے ہیں؟ بہرحال قوم کو اس سے دلچسپی نہیں کہ ایک صحافی کا مذہب ومسلک کیا ہے بلکہ وہ تو اس چیز سے دلچسپی رکھتی ہے کہ ایک صحافی یا میڈیا مین کی دیانت ہی اس کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔ ان کا یہ دعویٰ کہ ہم وہی لکھتے، چھاپتے اور وہ خبریں پیش کرتے ہیں جو سچ ہے، دلیل کا طالب ہے۔ کم از کم شیخ حرم محترم محمد عبد الرحمٰن السدیس کے حالیہ دورۂ پاکستان کے حوالے سے ان کا یہ دعویٰ تشنۂ دلیل ہے:

چو پردہ دار بشمشیر می زند ہمہ را
کسی مقیمِ حریمِ حرم نخواہد ماند

احتجاج

احتجاج احتجاج

پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت، پاسبانِ مسلک اعلیٰ حضرت، بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، صادق الاقوال والاحوال، فضیلۃ الشیخ

حضرت علامہ مفتی پیر ابوداؤد

محمد صادق قادری رضوی مدظلہ العالی

امیر جماعت رضائے مصطفیٰ پاکستان

اور الحاج محمد حفیظ نیازی (ایڈیٹر ماہنامہ رضائے مصطفیٰ) اور ان کے رفقاء پر ناجائز مقدمات کی ہم پُرزور مذمت کرتے ہیں اور حکومت سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ یہ جھوٹے مقدمات فی الفور ختم کیے جائیں۔ یہ عمل پاکستان کے خلاف ایک سازش ہے۔ پاکستان اہلِ سنت و جماعت نے بنایا ہے اور اس کی بقا کے بھی ہم ضامن ہیں۔ حکومت، پاکستان مخالف عناصر کی سازشوں سے ہوشیار رہے۔

منجانب

احتجاج **ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی، پاکستان** احتجاج

تفسیرِ رضوی

سورۃ البقرۃ

معارفِ قرآن
من افاضاتِ امام احمد رضا

گزشتہ سے پیوستہ

مرتبہ: مولانا محمد حنیف خاں رضوی بریلوی

(۱۸) اور سورہ بقرہ میں "فجعلنا ها نكالا لما بين يديها وما خلفها" تو ہم نے (اس بستی کا) واقعہ اس کے آگے اور پیچھے والوں کے لئے عبرت کر دیا۔ اس کی تفسیر بھی اگلی اور پچھلی امتیں؟ کی گئی جس کا ذکر گزشتہ امتوں میں مذکور اور بعد والی قوموں میں مشہور ہوا۔ (بیضاوی)

(۱۹) اور حم سجدۃ میں اذجاتهم الرسل من بين ايديهم ومن خلفهم" اور جب رسول ان کے آگے پیچھے پھرتے تھے۔ حضرت حسن بصری سے اس کی تفسیر مروی ہے۔ کہ رسول انہیں پہلی امتوں کے حادثات اور آخرت میں آنے والے عذاب سے ڈراتے۔ (نسفی)

یا گزشتہ اور آئندہ قومیں کہ انہیں پہلوں کی خبر پہونچی۔ اور ہود اور صالح علیہما السلام نے انہیں دعوت دیتے ہوئے متاخرین کا حال بتایا۔ (بیضاوی)

(۲۰) سورہ احقاف میں "اذا نذر قومه بالاحقاف وقد خلت النذر من بين يديه ومن خلفه۔" حضرت ہود نے اپنی قوم کو مقام احقاف میں ڈرایا۔ اور اس کے پہلے سنانے والے گزر چکے تھے اور بعد میں آئے۔ یعنی حضرت ہود سے پہلے اور ان کے بعد اپنی قوموں کی طرف کہ سوائے خدا کے کسی اور کو نہ پوجو۔ (جلالین)

قسم ثانی

(۲۱) سورہ اعراف میں "هو الذی ارسل الرياح بشرا بين يدى رحمة" اللہ تعالیٰ نے ہواؤں کو بارش سے پہلے بشارت دینے والی بنا کر بھیجا۔

(۲۲) سورہ فرقان میں "هو الذى ارسل الرياح بشرا بين يدى رحمته" (۲۳) سورہ نمل میں "امن يهديكم فى ظلمات البر والبحر ومن يرسل الرياح بشرا بين يدى رحمته۔" یا وہ جو تمہیں راہ دکھاتا ہے اندھیریوں میں خشکی اور تری کی۔ اور وہ کہ ہوائیں بھیجتا ہے اپنی رحمت کے آگے خوش خبری سناتی۔

ان آیات میں لفظ بین یدیہ بارش کے قریب ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

(۲۴) لاتينهن من بين ايديهم ومن خلفهم وعن ايمانهم وعن شمائلهم۔ ہم ان پر آئیں گے ان کے پیچھے اور دائیں اور بائیں۔

اس آیت میں شیطانوں کے وسوسہ کا بیان ہے۔ جس کے لئے ان کا ان لوگوں کے؟

(۲۵) سورہ رعد میں: له معقبات من بين يديه ومن خلفه۔ ان کے نگراں اس کے آگے پیچھے ہیں۔ اس آیت میں نگرانی کا ذکر ہے جو قریب سے ہوتی ہے۔

(۲۶) سورہ سبا میں۔ افلم يروا الى ما بين ايديهم وما خلفهم من السماء والارض۔ تو کیا انہوں نے نہ دیکھا جو ان کے آگے اور پیچھے ہے۔ آسمان وز میں۔ اس آیت میں سماء سے مراد آسمان دنیا ہے۔ جو نسبتہ ہم سے قریب ہے۔ اور ہم پر سایہ فگن ہے۔

(۲۷) اسی میں ہے۔ ومن الجن من يعمل بين يديه باذن ربه (الى قوله تعالى) يعملون له ما يشاء من محاريب وتماثيل وجفان كالجواب وقدور راسيات۔ اور جنوں میں سے وہ جو اس کے آگے کام کرتے۔ اس کے رب کے حکم سے۔ اس کے لئے بناتے جو وہ چاہتا اونچے اونچے محل اور تصویریں۔ اور بڑے بڑے حوضوں کے برابر لگن، اور لنگر دار دیگیں۔ اس آیت میں بادشاہ کے حسب مرضی کام کرنے والوں کے اس کے سامنے ہونے سے مراد

اس کی نگاہ میں ہوتا ہے۔

(۲۸) اسی میں ہے۔ ما بصاحبکم من جنة ان ھو الا نذیر لکم بین یدی عذاب شدید۔ تمہارے ان صاحب میں جنوں کی کوئی بات نہیں، وہ تو نہیں مگر تمہیں ڈر سنانے والے، ایک سخت عذاب کے آگے، اس میں لفظ بین یدی قیامت کے قرب پر دلالت کرتا ہے۔

(۲۹) سورہ یٰس میں۔ وجعلنا من بین ایدیھم سدا و من خلفھم سدا۔ ہم نے ان کے آگے ایک دیوار بنادی اور ان کے پیچھے ایک دیوار۔ یہاں لفظ بین ایدی اتصال حقیقی کے لئے ہے، تا کہ نابینائی پیدا ہو۔ (پناہ بخدا)

(۳۰) اسی میں ہے۔ و اذا قیل لھم اتقوا ما بین ایدیکم و ما خلفکم۔ جب ان سے کہا گیا کہ سامنے اور پیچھے کے عذاب سے بچو، یعنی دوسروں کی طرح کہا گیا کہ عذاب دنیا اور عذاب آخرت سے بچو۔ (جلالین)

(۳۱) حم سجدہ میں و قیضنا لھم قرناء فزینوا لھم ما بین ایدیھم و ما خلفھم۔ اور ہم نے ان پر کچھ ساتھی تعینات کئے۔ انہوں نے انہیں مزین کردیا جو ان کے آگے اور جو ان کے پیچھے ہے۔ ما بین ایدیھم سے مراد امور دنیا اور شہوتوں کی اتباع اور خلفھم سے مراد امور آخرت۔ (جلالین)

(۳۲) سورہ حجرات میں۔ یا ایھا الذین امنوا لا تقدموا بین یدی اللہ و رسولہ۔ اے ایمان والو اللہ و رسول پر سبقت نہ کرو اس آیت میں نفی کا مفاد حکم خدا و رسول سے پہلے کسی امر کے فیصلہ کی ممانعت ہے۔ اور اس کی شناعت کو محسوس کے ساتھ ممثل کر کے دکھایا گیا۔ اگر چلنے میں غلام آقا سے آگے چلے تو برا ہے۔ اور یہ برائی قرب کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔

(۳۳) سورہ حدید میں یوم تری المومنین و المومنات یسعی نورھم بین ایدھیم و بایمانھم۔ اس دن تم دیکھو گے کہ مومن مردوں اور عورتوں کا نور ان کے آگے اور دائیں چلے گا۔ یہاں یسعیٰ اس پر دلالت کرتا ہے کہ آگے اور دائیں سے مراد وہ جگہ ہے جو ان کے لئے روشن کی گئی ہے۔ تو یہاں بین یدیہ سے مراد قرب ہے اور نور تو مومنوں سے متصل ہی ہوگا۔

(۳۴) سورہ مجادلہ میں ہے۔ یا ایھا الذین امنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجوٰکم صدقه۔ اے ایمان والو رسول کریم سے بات کرنا چاہو تو اس سے پہلے صدقہ پیش کرو۔

(۳۵) ءاشفقتم ان تقدموا بین یدی نجواکم صدقات۔ بات چیت سے قبل صدقہ پیش کرنے سے ڈر رہے ہو۔ ان دونوں آیتوں میں مراد تعظیم رسول ہے۔ تو یہ قرب سے ہی ظاہر ہوگی۔

(۳۶) سورۂ ممتحنہ میں ہے" و لا یاتین ببھتان یفترینه بین ایدیھن و ارجلھن۔" ایسا بہتان نہ ظاہر کرو جسے تم نے اپنے ہاتھوں اور پیروں کے بیچ گڑھا ہو۔ وہ لڑکا جو دوسرے کا ہو۔ عورت اس کو اپنے شوہر کی طرف منسوب کرے۔ اور اس کو شوہر کا حقیقی لڑکا بتائے۔ تو عورت جب بچہ جنے گی تو وہ حقیقۃً اس کے پاؤں اور ہاتھوں کے بیچ میں ہوگا۔ تو یہاں بین یدیہ کے معنی حقیقی ترکیبی مراد ہیں۔

(۳۸) سورہ جن میں عالم الغیب فلا یظھر علی غیبه احدا الا من ارتضیٰ من رسول فانه یسلك من بین یدیه و من خلفه رصدا۔ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے وہ اپنے غیب پر اپنے پسندیدہ رسولوں کے سوا کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ ان رسولوں کے آگے پیچھے نگراں چلتے ہیں۔ یعنی فرشتے جو وحی کی تبلیغ تک ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ سب آیات واضح ہیں۔

اسی سے ہے۔ جعلنا ھا نکا لا لما بین یدیھا و ما خلفھا۔ ہم نے اسی بستی کا یہ واقعہ اس کے آگے اور پیچھے والوں کے لئے عبرت کر دیا۔ مشہور اور ظاہر یہی ہے کہ ما بین یدیہ اور خلفہ سے مراد وہ امتیں ہیں جو ان کے زمانہ میں تھیں اور ان کے بعد میں۔ (جلالین)

یا جو دیہات قریب تھے اور وہ جو دور تھے۔ یا ان دیہاتوں والے۔ (بیضاوی)

جاری ہے……

معارف حدیث
من افاضات امام احمد رضا

گزشتہ سے پیوستہ

۸۔ فِرَق بَاطِلَہ

مرتبہ: مولانا محمد حنیف خاں رضوی بریلوی

پھر فرمایا: ایها السائل! الك مع الله مشية او دون الله مشية ؟ فان قلت ان لك دون الله مشية فقد اكتفيت بها عن مشية الله و ان زعمت ان لك فوق الله مشيئة فقد ادعيت مع الله شركا فى مشيته۔

اے سائل! تجھے خدا کے ساتھ اپنے کام کا اختیار ہے یا، بے خدا کے؟ اگر تو کہے کہ بے خدا کے تجھے اختیار حاصل ہے، تو تو نے ارادۂ الٰہیہ کی کچھ حاجت نہ رکھی جو چاہے خود اپنے ارادے سے کریگا، خدا چاہے یا نہ چاہے۔ اور یہ سمجھے کہ خدا سے اوپر تجھے اختیار حاصل ہے، تو تو نے اللہ کے ارادے میں اپنے شریک ہونے کا دعوی کیا۔ پھر فرمایا: ایها السائل!ان الله يشج ويداوى فمنه الداء و منه الدواء ،اعقلت عن الله امره۔

اے سائل! بے شک اللہ زخم پہونچاتا ہے اور اللہ ہی دوا دیتا ہے۔ تو اسی سے مرض ہے اور اسی سے دوا۔ کیوں تو نے اب تو اللہ کا حکم سمجھ لیا، اس نے عرض کی: ہاں، حاضرین سے فرمایا: الآن اسلم اخوكم فقوموا و صافحوا اب تمہارا یہ بھائی مسلمان ہوا۔ کھڑے ہو اس سے مصافحہ کرو۔ پھر فرمایا:

ان رجلا من القدرية لاخذت برقبة ثم ازال اجوئها حتى اقطعها فانهم يهود هذه الامة و نصاراها و مجوسها۔

اگر میرے پاس کوئی شخص ہو جو انسان کو اپنے افعال کا خالق جانتا اور تقدیر الٰہی سے وقوع طاعت و معصیت کا انکار کرتا ہو تو میں اس کی گردن پکڑ کر دبوچتا رہوں گا یہاں تک کہ الگ کاٹ دوں۔ اس لئے کہ وہ اس امت کے یہودی، نصرانی، اور مجوسی ہیں۔

یہودی اس لئے فرمایا کہ ان پر خدا کا عذاب ہے اور یہود مغضوب علیہم ہیں اور نصرانی و مجوسی اس لئے فرمایا کہ نصاری تین خدا مانتے ہیں۔ مجوس یزدان اور اہرمن دو خالق مانتے ہیں۔ یہ بیشار خالقوں پر ایمان لارہے ہیں کہ ہر جن وانس کو اپنے اپنے افعال کا خالق گارہے ہیں۔ و العياذ بالله رب العالمين

یہ اس مسئلہ میں اجمالی کلام ہے۔ مگر ان شاء اللہ تعالیٰ کافی ووافی اور صافی وشافی جس سے ہدایت والے ہدایت پائیں گے اور ہدایت اللہ ہی کے ہاتھ۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَاللّٰهُسُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰى أَعْلَمُ۔ فتاوی رضویہ ۱۱/۱۹۹

(۵) تقدیر پر تکیہ کر کے عمل نہ چھوڑیں

۱۳۵۔ عن أمير المؤمنين علی كرم الله تعالىٰ وجهه الكريم قال : كان النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى جنازة فأخذ شيئا فجعل ينكت به الأرض، فقال ما منكم من أحد الا وقد كتب مقعده من النار و مقعده من الجنة، قالو: يارسول الله! أفلا نتكل على كتابنا و ندع العمل (زاد فى رواية) فمن كان من أهل السعادة فسيصير الى أهل السعادة ،و من كان من أهل الشقاء فسيصير الى عمل أهل الشقاوة، قال: إعملو فكل ميسر لما خلق له ، أما من كان من أهل السعادة فييسر لعمل أهل السعادة، و أمامن كان من أهل الشقاء فييسر لعمل أهل الشقاوة،ثم قرء، فَأَمَّا مَنْ أَعْطٰى وَ اتَّقٰى وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى اَلْآيَة ۔ فتاوی رضویہ ۱۱/۱۷۵

امیر المؤمنین مولی المسلمین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ حضور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک جنازہ میں تشریف فرماتھے، آپ نے ایک لکڑی اٹھا کر زمین کریدنا شروع کی، پھر فرمایا: تم میں سے ہر ایک کا ٹھکانا جہنم اور جنت میں لکھ دیا گیا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! تو کیا ہم اپنی تقدیر پر بھروسہ کر کے عمل کرنا نہ چھوڑ دیں؟ ایک روایت میں ہے، جو نیک لوگوں میں

ہے وہ عنقریب نیک لوگوں میں ہو جائے گا اور جو بد بختوں میں ہے وہ ان میں سے ہو جائے گا، فرمایا: عمل کرو کہ ہر ایک کیلئے وہ آسان ہے جس کیلئے وہ پیدا کیا گیا ہے، تو جو نیک بخت ہے اس کیلئے نیک بختوں کا کام آسان ہو جاتا ہے۔ اور جو بد بخت ہے اس کیلئے بد بختوں کا عمل آسان ہو جاتا ہے۔ پھر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

تو وہ جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا، اللہ تعالیٰ سے ڈرا، اور اچھی طرح تصدیق کی۔ الآیہ۔

(۶) تدبیر تقدیر سے ہے

۱۳۶ ـ عن عبد الله بن عباس رضی الله تعالی عنهما قال : قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم : اَلدَّوَاءُ مِنَ الْقَدْرِ يَنْفَعُ مَنْ يَّشَاءُ لِمَا يَشَاءُ۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دواء خود بھی تقدیر سے ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے جس دوا سے چاہے نفع پہونچا دیتا ہے۔

۱۳۷ ـ عن عبد الله بن عباس رضی الله تعالی عنهما قال: إن عمر بن الخطاب رضی الله تعالی عنه خرج الی الشام حتی اذا كان بسرغ لقيه أمراء الأجناد أبو عبيدة بن الجراح و أصحابه فأخبره أن الوباء قد وقع بالشام، قال عبد الله بن عباس : فقال عمر: أدع لی المهاجرين الأولين فدعاهم فاستشارهم و أخبرهم أن الوباء قد وقع بالشام، فاختلفوا فقال بعضهم: قد خرجت لأمر و لانری أن ترجع عنه ـ و قال بعضهم: معك بقية الناس و أصحاب رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم و لا نری أن تقدمهم علی هذا الوباء ، فقال : ارتفعوا عنی، ثم قال: أدع لی الأنصار فدعوتهم فاستشارهم فسلكوا سبيل المهاجرين و اختلفوا كاختلافهم، فقال: ارتفعوا عنی، ثم قال: أدع من كان ههنا من مشيخة قريش من مهاجرة الفتح، فدعوتهم فلم يختلف منهم عليه رجلان فقالوا: نری أن ترجع بالناس و لا تقدمهم علی هذا الوباء ، فنادی عمر فی الناس إنی مصبح علی ظهر فاصبحوا عليه ، قال أبو عبيدة : أفرارا من قدر الله؟ فقال عمر : لو غيرك قالها ياأباعبيدة! ، نعم ،نفرمن قدر الله الی قدر الله ، أ رأيت لو كان لك إبل ، هبطت واديا له عدوتان، إحداهماخصبة والاخری جدبة، أليس إن رعيت الخصبة رعيتها بقدر الله ، و إن رعيت الجدبة رعيتها بقدر الله ، قال : فجاء عبد الرحمن بن عوف و كان متغيبا فی بعض حاجته فقال : إن عندی فی هذا علما ، سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم يقول : إِذَا سَمِعْتُمْ بِهٖ بِأَرْضٍ فَلَا تُقْدِمُوا عَلَيْهِ وَ إِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَ أَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوا فِرَارًامِنْهُ قَالَ: فَحَمِدَ اللّٰهَ عُمَرُ وَ انْصَرَفَ ـ

فتاویٰ رضویہ ۱۱/۱۸۳

حواله جات

۱۳۵ ـ الجامع الصحيح للبخاری	۷۳۷/۲
☆ الصحيح لمسلم ، القدر ،	۳۳۳/۲
☆ الجامع للترمذی، القدر	۳۶/ ۲
☆ السنن لابی داؤد ، السنة ۱۶ ، القدر ،	۶۴۵/۲
☆ المعجم الكبير للطبرانی،	۲۸۰/۴
☆ اتحاف السادة للزبيدی،	۱۹۷/۲
☆ فتح الباری للعسقلانی،	۷۰۸/۸
☆ تاريخ بغداد للخطيب،	۱۱۰/۱۱
☆ التفسير للبغوی،	۲۵۳/۳
☆ الدر المنثور للسيوطی،	۱۳۹/۶
☆ كنز العمال للمتقی،	۱۵۵۲، ۳۴۲/۱
☆ التمهيد لابن عبد البر،	۸/۶
۱۳۶ ـ المعجم الكبير للطبرانی،	۱۳۱/۱۲
☆ مجمع الزوائد للهيثمی،	۸۵/۵
☆ كنز العمال للمتقی،	۲۸۰۸۱ ، ۵/۱۰
☆ الجامع الصغير للسيوطی،	۲۶۱/۲
۱۳۷ ـ الجامع الصحيح للبخاری، الطب ،	۸۵۳/۲
☆ الصحيح لمسلم ، السلام	۲۲۹/۲
☆ المسند لاحمد بن حنبل ،	۲۰۳/۵

جاری ہے............

فصل دھم: کتاب: احسن الوعاء لآداب الدعاء معارف القلوب

مبحث دعا کے متعلق چند نفیس سوال و جواب میں

مصنف: رئیس المتکلمین علامہ نقی علی خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ﴿گزشتہ سے پیوستہ﴾

شارح: مجدد اعظم امام احمد رضا خاں علیہ رحمۃ الرحمٰن محشی: محمد اسلم رضا قادری

موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے: "جانور کے واسطے گھاس اور ہانڈی کے لئے نمک بھی مجھی سے مانگ۔"

علماء فرماتے ہیں: "خدائے تعالیٰ سے سوال کرنا عزت اور غیروں سے مانگنا مؤجب ذلت ہے۔"

بیت

راز گویم بخلق و خوار شوم
با تو گویم بزرگ وار شوم (۴۱۶)

جو شخص آدمی سے سوال کرتا ہے، تین خرابیوں میں پڑتا ہے۔

پہلی خرابی: خلق کی نگاہ میں ذلیل و خوار ہو جاتا ہے۔ ہر ایک کے سامنے عاجزی کرنی پڑتی ہے۔ بندے کو لائق نہیں کہ اپنے نفس کو بلا ضرورت خوار کردے اور سوائے خدائے تعالیٰ کے اور کے سامنے تذلل کرے۔ (۴۱۷)

دوسری خرابی: محتاجی ظاہر کرنا مولیٰ کی شکایت ہے۔ جو غلام براہِ احسان فراموشی و نمک حرامی اپنے مولیٰ کے انعام و عطا پر قناعت نہ کرے اور دوسرے کے سامنے ہاتھ پھیلائے، گویا زبانِ حال سے کہہ رہا ہے کہ میرا مولیٰ مجھے ننگا بھوکا رکھتا ہے اور بقدر رفع احتیاج نہیں دیتا۔

نقل ہے، ایک عابد کسی پہاڑ پر رہتا۔ وہاں انار کا درخت تھا۔ ہر روز تین انار اس میں آتے۔ انہیں کھاتا اور عبادت کرتا۔ حق عزوجل کو امتحان منظور ہوا۔ ایک روز انار نہ لگے۔ صبر کیا۔ دو روز اور یہی ماجرا گزرا۔ تیسرے دن گھبرا کر پہاڑ سے نیچے اترا۔ اس کے نیچے ایک نصرانی رہا کرتا تھا۔ اس سے سوال کیا۔ نصرانی نے چار روٹیاں دیں۔ اس کا کتا بھونکنے لگا۔ عابد نے ایک روٹی ڈال دی۔ کتے نے کھا کر پھر پیچھا کیا۔ دوسری روٹی ڈال دی، کتے نے وہ بھی کھالی مگر پیچھا نہ چھوڑا۔ جب چاروں کھالیں اور بھونکنے سے باز نہ آیا، عابد نے کہا: اے حریصِ ناحق کوش! (۴۱۸) تجھے شرم نہیں آتی کہ میں تیرے گھر سے بھیک مانگ کر لایا اور تو نے مجھ سے سب چھین لیں۔ اب بھی پیچھا نہیں چھوڑتا۔ کتے نے کہا: "میں تجھ سے زیادہ بے شرم نہیں کہ جس مالک نے برسوں بے محنت و مشقت ایسا نفیس رزق تجھے کھلایا، تین روز نہ دینے پر اتنا گھبرا گیا کہ اس کے دشمن کے گھر بھیک مانگنے آیا۔"

تیسری خرابی: جس سے سوال کرتا ہے، اسے ناحق رنج دیتا ہے کہ اگر وہ سوال رد کردے تو لوگوں سے شرمندگی و ندامت ہو اور جو خلق سے شرما کر دے تو دل پر گراں گزرے اور آخرت میں مفید نہ ہو۔ بلکہ بسبب ریاکاری کے مضر ہو۔ ایسے شخص سے سوال کرنا گویا مُصادرہ اور ڈانڈ طلب کرنا ہے۔ (۴۱۹) صوفیائے کرام کہتے ہیں: "جس کو جانے کہ یہ لوگوں کی شرم سے دیتا ہے، اس سے لینا ممنوع

ہے۔'' اور جو سوال سے خوش ہوتا اور بطیبِ خاطر دیتا ہے (۴۲۰) بعض اوقات سوال اس پر بھی ناگوار گزرتا ہے۔ خصوصاً اس شخص کا جو بہت سوال کیا کرتا ہے پس بندے کو لائق ہے کہ خدا ہی سے سوال کرے کہ وہ مانگنے سے ناخوش نہیں ہوتا نہ بار بار عرض کرنے سے ناراض، بلکہ اور زیادہ راضی ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے: ''جس کے پاس بقدرِ کفایت ہو اور وہ سوال کرے، قیامت کے دن اس کے منہ کا گوشت گل کر گر پڑے گا کہ ہڈی کے سوا کچھ باقی نہ رہے گا۔''

دوسری حدیث شریف میں آیا ہے کہ وہ جو کچھ لیتا ہے، دوزخ کی آگ ہے۔ اب چاہے بہت لے یا تھوڑی۔ کسی نے عرض کی، یارسول اللہ! کس قدر رکھتا ہو تو سوال نہ کرے۔ فرمایا صبح و شام کا کھانا اور ایک روایت میں پچاس درم کہ آدمی کو سال بھر کفایت کرتے ہیں اور وجہِ تطبیق یہ ہے کہ موسم صدقات جہاں سال بھر میں ایک بار آتا ہے، اگر ان دنوں بقدرِ سدِ رمق (۴۲۱) ایک سال کا قُوت (۴۲۲) نہیں رکھتا یا سال بھر کے لائق کپڑا موجود نہیں اور اس عرصے میں نہ ملنے کی امید، نہ کسب پر قدرت تو اس کو سوال درست ہے اور جو ہر روز سوال کرتا ہے، اسے دوسرے دن کے لئے بھی سوال کرنا جائز نہیں۔ اصل یہ ہے کہ سوال بقدرِ حاجت درست ہے اور حاجت باختلافِ اشخاص و اوقات و اَحوال و اَمصار مختلف۔

پس غیر خدا سے سوال فی نفسہٖ قبیح ہے اور اس کی اجازت بوجہِ ضرورت۔ اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِیْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ (۴۲۳) جو شخص بقدرِ سدِ رَمق کے قُوت یا بقدرِ سترِ عورت کے لباس یا سونے بیٹھنے کے لائق گھر نہیں رکھتا اور کسب (۷ الف) سے بھی نہیں حاصل کرسکتا اسے کئی شرط سے سوال کرنا درست ہے۔

حوالہ جات و حواشی

(۴۱۶) ع تُو سب کو راز کہہ کر ہی ذلیل و خوار ہوتا ہے
خدا واحد کہ سب کے راز کو وہ راز رکھے ہے
(عطاری)

(۴۱۷) یعنی بندے کو لائق نہیں کہ سوائے خدائے تعالیٰ کے کسی اور کے سامنے ذلت و خواری اٹھائے۔

(۴۱۸) یعنی ناحق بات میں کوشش کرنے والا۔

(۴۱۹) یعنی تاوان طلب کرتا ہے۔

(۴۲۰) یعنی خوش دلی کا ساتھ دیتا ہے۔

(۴۲۱) یعنی اتنا کھانا جس سے زندگی قائم ہے۔

(۴۲۲) خوراک۔

(۴۲۳) یعنی ضرورتیں ممنوعہ اشیاء کو مباح یعنی جائز کر دیتی ہیں۔

(۷ الف) اگر قدرتِ کسب رکھتا ہو تو کسب کرے اور سوال سے باز رہے، مگر طالبِ علم اگر کسبِ معاش، طلبِ علم میں خلل ڈالے بخلاف عابد کہ وہ کسب کرے، اگرچہ عبادات میں حرج ہو۔

قولِ رضا: وجہِ فرق ظاہر ہے کہ کسبِ حلال خود افضل عبادات سے ہے۔ تو اس میں دونوں مقصود حاصل۔ بخلافِ علم کہ اس سے جو مطلوب ہے، کسب سے حاصل نہیں ہوسکتا۔ مع ھٰذا طلبِ علم فرضِ عین ہے یا فرضِ کفایہ اور عباداتِ نافلہ کے لئے تفرُّغ (فراغت) اصلاً فرض نہیں۔

اسی طرح اُس دینی کتاب کو جس کی حاجت رکھتا ہے فروخت کرنا ضرور نہیں۔ ہاں جس کتاب کی حاجت نہ ہو اور جانماز اور اسی قسم کا اسباب کہ حاجت سے زیادہ ہو، بیچ ڈالے اور سوال نہ کرے۔

جاری ہے..........

حضرت فقیہ اعظم محدث بصیر پوری قدس سرہ العزیز

پروفیسر خلیل احمد نوری

حجۃ الاسلام حضرت فقیہ اعظم پاکستان مولانا محمد نور اللہ نعیمی ایک ایسی باکمال، عارف باللہ اور عالم باعمل شخصیت کا نام ہے، جس نے تحریک پاکستان کے نامور مجاہد صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی اور محدث اعظم مولانا سید دیدار علی شاہ الوری رحمہم اللہ تعالیٰ کی مہد علم وعرفان میں پرورش پاکر علم و دانش، حقیقت و معرفت اور خدمت دین وملت کے لاجواب ابواب رقم کیے۔ آپ نے علوم اسلامیہ کے امین اور عشق مصطفوی ﷺ سے لبریز ارائیں خاندان میں ۱۶ر رجب المرجب ۱۳۳۲ھ/۱۰ر جون ۱۹۱۴ء کو جنم لیا۔ قرآن کریم اور علوم اسلامیہ کی ابتدائی تعلیم اپنے والد مکرم اور جد امجد سے حاصل کی، بعد میں پاک و ہند کے مختلف مدارس کا رخ کیا اور خداداد صلاحیت، ذاتی لگن اور محنت کی بنا پر علم کے کوہ ہمالہ بن گئے۔ آخر میں مولانا سید دیدار علی شاہ محدث الوری اور مفتیٔ اعظم پاکستان مولانا سید ابوالبرکات علیہما الرحمۃ سے علم حدیث کی تحصیل کی اور ۱۹۳۳ء کو دستار فضیلت اور سند حدیث حاصل کی۔ اس موقع پر حضرت محدث الوری نے آپ کو مطبوعہ سند کے علاوہ مسلسلات اور اوراد و وظائف وغیرہ کی خصوصی اسناد سے بھی نوازا۔ بعد میں مفتیٔ اعظم سید ابوالبرکات نے آپ کو فقیہ اعظم، فقیہ زماں، محدث دوراں، فقیہ العصر اور مفتیٔ اعظم وغیرہ ایسے جلیل القدر القاب سے ممتاز فرمایا۔ ان گوناگوں اور متنوع القابات میں سے ''فقیہ اعظم'' کا لقب زبان زد خاص و عام ہے، اب علمی حلقوں میں فقیہ اعظم سے آپ ہی کی ذات گرامی مراد لی جاتی ہے۔

حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز نے تعلیم سے فراغت کے فوراً بعد ہی درس و تدریس کا آغاز کر دیا تھا، پھر تحصیل دیپال پور کے ایک قصبے فرید پور جاگیر میں دار العلوم حنفیہ فریدیہ کے نام سے ایک مدرسے کی داغ بیل ڈالی، مگر جاگیردارانہ ماحول اور رسل و رسائل کا فقدان اس مادر علمی کے پنپنے کی راہ میں رکاوٹ بنتا دکھائی دیا تو اسی تحصیل کے ایک اور مقام بصیر پور میں منتقل ہو گئے۔ اگرچہ یہ علاقہ بھی کسی علمی ادارے کے لیے موزوں نہ تھا، مگر خلوص وللّٰہیت اور مقصد سے دلچسپی کا ثمرہ تھا کہ ننھا سا مدرسہ بڑھا، پروان چڑھا اور کئی بلاکوں پر مشتمل عظیم الشان یونی ورسٹی میں بدل گیا۔ وسائل کی عدم دستیابی کے باوجود اس دار العلوم کی عظمت کے آگے گردنیں خم ہیں اور احیاء دین کے ابواب اس مدرسے کے ذکر کے بغیر نامکمل دکھائی دیتے ہیں۔ حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کے قائم کردہ دار العلوم کی عمارت اسی (۸۰) پختہ کمروں، نہایت وسیع اور شان دار لائبریری، وسیع دالان، خوب صورت پلاٹوں، دیدہ زیب برآمدوں اور پرشکوہ جامع مسجد ''النور'' پر مشتمل ہے۔ مولانا کے وصال کے بعد ان کے جانشین حضرت صاحبزادہ مفتی محمد محب اللہ نوری باحسن وجوہ دار العلوم کا انتظام چلا رہے ہیں اور دار العلوم کی ترقی کے لیے دور حاضر کے تقاضوں کے مطابق نئے زاویوں اور نئی جہتوں پر شب و روز کام کر رہے ہیں۔ چناں چہ اس وقت مدرسہ میں درس نظامی کے ساتھ ساتھ علوم عصریہ میں میٹرک، ایف اے، بی اے، ایم اے، فاضل عربی، اے ٹی سی اور کمپیوٹر سائنسز کی تعلیم کا اہتمام بھی کر دیا ہے، نیز طالبات کی دینی تعلیم و تربیت کے لیے شعبۂ بنات بھی سرگرم عمل ہے۔

حضرت فقیہ اعظم کو پچاس سے زائد علوم و فنون پر مکمل دسترس اور مہارت تامہ حاصل تھی مگر حدیث، اصول حدیث، تفسیر، اصول تفسیر، بالخصوص فقہ مذاہب اربعہ میں تو آپ امامت کے درجہ پر فائز تھے۔ آپ

کی ذات مرجع خلائق تھی، ملک و بیرون ملک سے علماء اور عوام فقہی استفتاء ات کے لیے آپ کی جانب رجوع کرتے اور آپ کے قائم کردہ نظریات کو حرف آخر سمجھا جاتا۔ آپ کے چھ ضخیم جلدوں پر مشتمل فتاویٰ ''فتاویٰ نوریہ'' کے مطالعہ سے آپ کی وسعت نظر، عمیق مشاہدہ، قوت استدلال اور جدت فکر کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ آپ حالات حاضرہ کے جدید تقاضوں کا گہرا شعور اور مسائل عصریہ کا مجتہدانہ حل پیش کرنے کی اعلیٰ صلاحیت رکھتے تھے۔

آپ کے ہم عصر اکابر علمائے کرام آپ کی اجتہادی بصیرت اور تبحر علمی کے قائل تھے، جب کوئی اہم معاملہ پیش ہوتا تو علماء آپ کی طرف رجوع کرتے۔ چنانچہ جسٹس مفتی سید شجاعت علی قادری، جج وفاقی شرعی عدالت آپ کی اجتہادی بصیرت کا یوں تذکرہ کرتے ہیں:

> ''حضرت کا علم وحلم، ورع وتقویٰ، فقاہت واجتہاد مسلمہ امور ہیں لیکن جس امر نے مجھے فکری اعتبار سے ہمیشہ ان کے قریب رکھا ہے وہ حالات حاضرہ کے جدید تقاضوں کا گہرا شعور اور مسائل عصریہ کا مجتہدانہ حل پیش کرنے کی اعلیٰ ترین صلاحیت کا ان میں موجود ہونا ہے'' ---

ایک فقیہ اور مفتی کے لیے ایمانی فراست، علمی وسعت، تزکیۂ نفس، تقویٰ وورع، دیانت وراست بازی وغیرہ جن خصوصیات کا ہونا ضروری ہے، وہ تمام تر آپ میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔ شیخ القرآن علامہ غلام علی اوکاڑوی نے آپ کو مجتہد اور اصحاب ترجیح سے شمار کیا، شیخ القرآن مولانا عبدالغفور ہزاروی نے آپ کو ''آیت من آیات اللہ، مولانا محمد نور اللہ'' کہا۔

علوم عقلیہ ونقلیہ میں آپ کی علمی وجاہت وثقاہت مسلمہ ہے۔ جس کے ثبوت کے طور پر آپ کی دو درجن سے زائد تصانیف شاہد ہیں۔ حدیث میں صحیح بخاری، مسلم اور ترمذی وغیرہ اور فقہ میں شامی اور بحر الرائق وغیرہ کتب پر عربی حواشی تحریر کیے۔ صاحبزادہ مفتی محمد محب اللہ نوری کوشش کر رہے ہیں کہ ان علمی شہ پاروں کو زیور طباعت سے آراستہ کیا جائے۔

حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز معروف معنوں میں سیاسی آدمی تو ہرگز نہ تھے، مگر ملک وملت کی زبوں حالی کی وجہ سے دل ناتواں پر بوجھ رہتا اور کڑی دھوپ کے وقت افراد ملت کے لیے بادل بن کر سایہ کناں ہوتے۔ چناں چہ تدریسی انہماک کے باوجود تحریک پاکستان میں اپنے شیخ کامل کی راہوں کے راہی بنے، تقاریر کے ذریعے قیام پاکستان کے لیے راہ ہموار کی، مخالفین پاکستان کی یورش اور نظریاتی یلغار کو دلائل وبراہین سے ختم کیا اور تحریک پاکستان کو قوت بہم پہنچائی۔ پاکستان قائم ہوگیا تو آپ کا دارالعلوم مہاجرین کا کیمپ بن گیا۔ آپ نے میزبان بن کر مہاجرین کا استقبال کیا اور انہیں قیام وطعام کی سہولتیں مہیا کیں۔ جہاد کشمیر میں غازیٔ کشمیر مولانا سید ابوالحسنات قادری کے ہم رکاب رہے، تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء اور ۱۹۷۴ء میں علماء وعوام کے شانہ بشانہ قید وبند کی صعوبتوں کو برداشت کیا۔

آپ جمعیت علمائے پاکستان کے اساسی اراکین میں سے تھے، ۱۹۷۷ء کی تحریک نظام مصطفیٰ میں بھرپور حصہ لیا اور قائدانہ کردار انجام دیا۔ حضرت فقیہ اعظم دم واپسیں تک درس وتدریس سے وابستہ رہے، آپ کی تدریسی زندگی نصف صدی پر محیط تھی، حتیٰ کہ تحریک ختم نبوت اور تحریک نظام مصطفیٰ کے دوران ساہیوال جیل میں درس حدیث اور مختلف محافل قائم کر کے قیدیوں کی اخلاقی تربیت کا اہتمام کیا۔ تین مرتبہ مسجد نبوی شریف میں گنبد خضراء کے سامنے قرآن کریم اور بخاری شریف کا دورہ پڑھانے کی سعادت حاصل کی۔ آپ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے، جو اندرون ملک اور بیرون ملک تحریری، تقریری، علمی، سماجی اور سیاسی سرگرمیوں کے ذریعے اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لیے راہ ہموار کر رہے ہیں۔

آپ کی زندگی کی خصوصیات میں اہم بات یہ کہ آپ سادہ منش، کم گو، دل کے کھرے اور شہرت و ذاتی نمائش سے بے نیاز تھے۔ شہری زندگی کے ہنگاموں اور ظاہریت کے رکھ رکھاؤ سے دور فطری اور صاف ستھرے ماحول میں رہ کر دین متین کی بے لوث خدمت کرتے ہوئے زندگی بسر کر ڈالی۔ درس و تدریس، فتویٰ نویسی، خطابت و امامت اور بہت بڑے ادارے کے جملہ انتظامی امور کی نگہ داشت کے عوض تنخواہ یا اجرت لینے کے روادار نہ ہوئے، بلکہ جملہ دینی خدمات محض رضائے الٰہی کی خاطر مفت سرانجام دیتے رہے۔

آپ کو عشق رسول ﷺ ورثہ میں ملا تھا، یہی وجہ ہے کہ آپ کے درس حدیث میں ایک خاص رنگ موجود ہوتا۔ قال قال رسول اللہ ﷺ کہتے ہی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی بندھ جاتی اور آواز بندھ جاتی۔ حضرت فقیہ اعظم فنافی الرسول کے مرتبہ عظمٰی پر فائز تھے، آپ نے بیس مرتبہ حج وعمرہ کی سعادت حاصل کی۔ آپ کی پوری زندگی اتباع نبوی اور عشق مصطفوی سے عبارت تھی۔ ان کا چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا غرض ہر ہر ادا سنت مصطفیٰ ﷺ کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ اتباع شریعت اور استقامت وعزیمت آپ کی سیرت طیبہ کا اصل جوہر تھا۔ عاجزی وفروتنی آپ کے ماتھے کا جھومر اور استغناء و توکل آپ کی زینت تھے، کسی وزیر یا امیر کے دروازے پر نہ گئے۔ جلب زر اور طلب دنیا سے ہمیشہ پہلو تہی کی۔ آپ کی ذات میں خشیت الٰہیہ کا رنگ غالب تھا اور اس سلسلے میں وہ سلف صالحین کی کامل تصویر تھے۔

یکم رجب المرجب ۱۴۰۳ھ، (۱۵/اپریل ۱۹۸۳ء) کو آپ کا وصال ہوا۔ آپ کا سالانہ عرس مبارک ۱۷-۱۸/جولائی، منگل، بدھ کو بصیر پور شریف ضلع اوکاڑا میں بڑی شان وشوکت اور عقیدت ومحبت سے منایا جارہا ہے، جس میں اکابر علماء ومشائخ اور خطباء ومبلغین شمولیت کر رہے ہیں۔

----- xxx -----

ملت کا نگہبان

غلام مصطفیٰ رضوی*

وہ اسلام کا پاسبان تھا، وہ اللہ عزوجل و رسول کونین ﷺ کی محبت وعظمت دلوں میں راسخ کررہا تھا۔ وہ مسلمانوں میں اتحاد واتفاق کی فضا ہموار کررہا تھا۔ وہ دشمنانِ خدا ورسول کو بے نقاب کررہا تھا۔ وہ ادب و احترام سکھارہا تھا۔ بارگاہِ الٰہی کا احترام، بارگاہِ رسالت مآب ﷺ کے آداب وتقدس۔ وہ علم وفضل کا آفتاب تھا جسے عالم مکۃ المکرمۃ مولانا شیخ ابوالخیر احمد میرداد نے ''معرفت کا آفتاب'' کہا۔ اس نے علمِ دین کی اشاعت کی، وہ علم جس کا مبدا قرآن حکیم ہے، جس کا سرچشمہ فرامینِ نبوی ہے۔ اس نے قوم کے مردہ ضمیر کو بیدار کیا، بے ضمیر قومیں اپنا وقار کھودیتی ہیں اور زوال کی سمت رواں دواں ہوجاتی ہیں۔ اس نے بیدار کیا، ایمان کے رہزنوں سے خبردار کیا، انگریزوں کی سازشوں سے پردہ اٹھایا، مشرکوں کی چالوں سے باخبر کیا۔

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

اس کی نگاہیں اسیرِ گردشِ دوراں نہ ہوسکیں۔ اس کی آنکھوں میں جلوۂ محبوب (ﷺ) رچا بسا تھا۔ وہ اسیر بارگاہِ رسالت تھا۔

ع انہیں جانا انہیں مانا نہ رکھا غیر سے کام

اس نے عیسائیوں کا مقابلہ کیا، ان کے لایعنی اعتراضات کا مسکت و دندان شکن جواب دیا، مشرکوں، نصرانیوں، قادیانیوں اور بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں اہانت و بے ادبی کرنے والوں کا مقابلہ کیا۔ یہ مقابلہ شمشیر وسناں سے نہ تھا۔ قلم سے تھا۔ بے شک جس دور میں مخالف جس ہتھیار سے لیس ہو، اسی سے اس کی کاٹ کی جائے اور حق وصداقت کی روشن راہ خوب واضح کردی جائے۔ قلم میں بڑی قوت وتوانائی ہے۔ اگر اس کا استعمال بجا ہو اور سچائی کے لئے ہو۔ اس نے دشمنانِ اسلام کو للکارا تھا۔

ع اعداء سے کہہ دو خیر منائیں، نہ شر کریں

اس کی خودداری کا یہ حال کہ کوئی اسے خرید نہ سکا۔ اس کی وفاداری کا یہ عالم کہ کوئی اسے بارگاہِ رسالت علی صاحبہا التحیۃ والثناء سے پھیر نہ سکا۔ بڑے بڑے طوفان اٹھے۔ بساط ہند فتنوں کی آماجگاہ بنی۔ انگریزوں کی چیرہ دستی بڑھی۔ ہنود کو قوت ملی۔ ۱۸۵۷ء کے معرکۂ جہاد نے علمائے حق کی شجاعت وہمت مردانہ کو آشکار کردیا۔ نتیجے میں مدارسِ اسلامیہ بند کروادیے گئے، پھر فرنگی تخیلات کو بنظر استحسان دیکھنے والوں سے مدارس قائم کروائے گئے۔ وہاں ایسے فضلاء پیدا ہوئے جن کے خمیر میں انگریزوں سے وفاداری شامل تھی۔ اس وقت وہی تھا جس نے ہر محاذ پر مقابلہ کیا۔ داخلی وخارجی فتنوں سے نبرد آزما ہوا اور ان کے تاروپود بکھیر دیے۔ اس نے مذہب کے راستے سے ہونے والے حملوں کا جواب دیا۔ سائنس واقتصادیات کے پس پردہ وارد حملوں کا جواب دیا۔ فلاسفہ کی گرفت کی، آریاؤں کی گرفت کی، یہود وہنود اور نصاریٰ کی گرفت کی۔ بے خرد مذہبی رہنماؤں کی گرفت کی۔ سیاست کے اسٹیج پر شرک سے مصالحت کرنے والے مولیوں کی گرفت کی۔ مذہبی حمیت وغیرتِ ایمانی کو اجاگر کیا۔

وہ ۶۵ سے زیادہ علوم وفنون میں مہارتِ تامہ رکھتا تھا جن میں چند اس طرح ہیں:

فقہ، تفسیر، حدیث، اصولِ تفسیر، نفسیات، اسماء الرجال، علم الکلام، علم القرآن وترجمۂ قرآن، اخلاق، لغت وادب، عروض وتنقیدات، منطق، سیر وتاریخ وتاریخ گوئی، عمرانیات، سیاسیات، توقیت، ہیئت، مناظرہ وغیرہ۔

اسی طرح وہ علومِ جدیدہ وعقلیہ میں بھی درک رکھتا تھا۔ جن میں چند اس طرح ہیں:

معاشیات (Economics)، تعلیم (Education)، بینکاری (Banking)، طبیعات (Physics)، حیاتیات (Zoology)، نباتات (Botany)، زراعت (Harti Culture)، تکسیر (Fraction)، نجوم (Astronomy)، ارضیات (Geology)، نامیاتی کیمیا (Organic Chemistry)، شماریات (Statics)، جفر (Numerology and Literology)، حرکیات (Dynamics)، سکونیات (Statics)، فونیات (Phonetics) وغیرہ۔

انہوں نے شعائرِ اسلامی کی حفاظت کی۔ ایسے دور میں جبکہ مشرکانہ شعائر اسلامی سوسائٹی میں داخل کئے جارہے تھے، مشرکین سے اتحاد ووداد کی مخالفت کی۔ اتحاد ہم جنس سے ہوتا ہے۔ یہود وہنود اور نصاریٰ جنسِ مخالف ہیں۔ ان سے اتحاد فطرت سے انحراف ہے۔ مسلمان، مسلمان سے اتحاد منائیں۔ پھر بعد کو مشرکین سے اتحاد کے نتائج سامنے آئے۔ انگریزوں نے اقتدار مسلمان مغلوں سے چھینا تھا اور لوٹایا ایسوں کو جو مسلمانوں کے حق میں مخلص نہ تھے۔ اس نے اسی وقت مسلمانوں کو باخبر کردیا تھا۔ اس نے سوتوں کو جگایا تھا اور سیاسی پلیٹ فارم سے نمودار ہونے والے فتنوں کی نشاندہی کی تھی۔ اِس پر اُس کی کتاب ''المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ'' (۱۳۳۹ھ) ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

وہ جب حجازِ مقدس پہنچا، وہاں کے عظیم المرتبت علماء ومشائخ نے اپنے دل بچھادیئے۔ علمائے حرمین نے اس کی علمی عظمتوں کا لوہا مانا۔ اس کے علم وفضل کی داد دی۔ اس سے احادیث کی اسناد اور خلافت لی اور اس کے تلامذہ میں شامل ہوئے۔ اس نے محبتوں کی بزم سجائی۔ وہ محبتوں کا داعی تھا۔ اس نے محبت رسول ﷺ میں سرشاری کا درس معظم دیا۔ اس کا دیوان ''حدائقِ بخشش'' (۱۳۲۵ھ) پڑھ جایئے۔ دل کی دنیا بدل جائے گی۔ فکر کے غبار آن کی آن میں دھل جائیں گے۔ لبوں پر نغمۂ پاکیزہ مچل اٹھے گا۔ دل کا ہر ہر تار ہم نوا ہو کر پکارے گا۔

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
مِرا دل بھی چمکادے چمکانے والے

وہ صالح فکر کا داعی تھا۔ اس کی کاوشوں نے دلوں کی دنیا کو زیر کیا۔ اس نے ان فلاسفہ اور سائنس دانوں کی خبر لی جو اسلام کے اصولوں سے ہٹ کر خلاف فطرت نتائج کا استخراج کررہے تھے۔ سترہویں صدی عیسوی میں یورپ کا مادی انقلاب رونما ہوا۔ یہ دراصل عقلیت کی خام تحریک کا نتیجہ تھا جس نے ظواہریت اور لاادریت جیسے نظریات جنم دیئے۔ بعد کو مادی ترقی نے کمیونزم کا پلیٹ فارم بھی تشکیل دے دیا جہاں مذہب کا تصور تک نہ تھا، جس کا بانی یہودی شخص کارل مارکس تھا۔ بساطِ عالم میں نئی نئی تحقیقات لے کر وارد ہونے والے عقلاء بھی عمومی طور پر یہودی ونصرانی ہی تھے لہٰذا ان کی مساعی خلافِ اسلام ہی رہی۔ روحانی اقدار کے خاتمہ کی تیاری ہوچکی تھی کہ ۱۸۵۶ء میں پیدا ہونے والا اور خالص دینی ماحول میں آنکھیں کھولنے والا وہ نابغۂ روزگار عبقری الشرق میدانِ عمل میں کود گیا جس نے فکرِ اسلامی کو اجاگر کرکے عقلِ خام کے تمام نظریاتِ باطلہ اور سازشوں کو ناکام

بنا دیا۔ اس نے سائنس کے نصرانی خیالات، عقل ناپائیدار کے مفروضات کی دھجیاں بکھیر دیں۔ اس نے آیاتِ فرقان سے وہ روشنی پھیلائی جس کا انعطاف قلب وذہن کی تاریکی کو دور کرتا تھا۔ اس کی یہ کتابیں آج بھی خلافِ اسلام نظریات رکھنے والوں کے لیے کسی چیلنج سے کم نہیں:

۱۔ الکلمۃ الملہمۃ

۲۔ فوزِ مبین در ردِ حرکتِ زمین

۳۔ نزولِ آیاتِ فرقان بسکونِ زمین و آسمان

۴۔ معینِ مبین بہر دورِ شمس وسکون زمین

۵۔ الکشف الشافیا فی حکم فونو جرافیا وغیرہم

اس نے عیسائی پادریوں کے مہمل اعتراضات کے جوابات دیے۔ اس نے جدید علم Embryology پر بھی فاضلانہ بحث کی ہے اور الٹرا ساؤنڈ مشین کے حوالے سے اسلامی فکر کو اجاگر کیا ہے۔ اس نے ریاضی کے علوم سیٹ تھیوری اور ٹاپولوجی پر بھی بحث کی ہے جبکہ یہ علوم فارمولیٹ کیے جا رہے تھے اور متعارف نہیں ہوئے تھے۔ اس نے بلاسود بینکاری کا تصور دیا اس وقت جبکہ جدید معاشی نظام کا نفاذ بھی نہیں ہوا تھا اور سرمائے کے تحفظ پر بحث جاری تھی۔ اس نے اسلامی سوسائٹی کو خود کفیل بنانے کے لئے جدید اصول وضابطے مرتب کیے۔ تفصیل کے لئے اس کا رسالہ مطالعہ فرمائیں ''تدبیر فلاح ونجات واصلاح''۔ اس نے علم ودانش کے چراغ روشن کیے، پاکیزہ صحافت کا تصور دیا، استاذ کا احترام سکھایا، علم وفن کو برتنے کا شعور دیا، عبد کے معبود سے رشتے کو واضح کیا، اسلامی غیرت کو بیدار کیا، تعلیم اور علم کے آداب سکھائے۔ بدعات کے خلاف جہاد کیا، بے جا رسومات اور منکرات پر قدغن لگایا۔ صالح اسلامی معاشرے کا وہ تصور دیا جو ماضی میں اسلامی سوسائٹی کا نصب العین تھا۔ اس نے اخلاق وکردار کی پاکیزگی کا درس دیا۔ وہ ہند میں مسلمانوں کی نگاہوں کا محور اور عالمِ اسلام کا مرجع فتاویٰ تھا۔ وہ مصلح ومدبر اور فقیہ ومحدث تھا۔ وہ قرآن مقدس سے فیض پاتا اور اسی کے اصولوں پر عمل کی مسلمانوں کو تلقین کرتا۔ وہ اسلاف کی علمی امانتوں کا پاس دار اور محدثینِ اسلام کا جانشین تھا۔ وہ روحانی اقدار سے مزین اور عامل بالسنۃ تھا۔ وہ نائبِ امام اعظم اور فقیہ النفس تھا۔ اس کا مجموعہ فتاویٰ ''فتاویٰ رضویہ'' ساری دنیا میں مقبول ہے۔ وہ عبد المصطفےٰ تھا۔ اس کی زندگی سید عالم ﷺ کی رضا کے لئے تھی۔ اسی لئے وہ ''احمد رضا'' بن کر عالمِ اسلام پر چھا گیا اور اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی، محدث ومحقق بریلوی اور مفکرِ اسلام کے لقب سے مشہور ہو کر قلبِ پاکیزہ کی دھڑکن بن گیا۔

معارفِ رضا کا پیغام
ناقدینِ اعلیٰ حضرت کے نام

کھلائے ہیں گلاب احمد رضا نے عشقِ احمد کے (ﷺ)
پڑی تھیں ایک مدت سے دلوں کی کھیتیاں بنجر
سبق عشقِ رسولِ پاک (ﷺ) کا گر سیکھنا چاہے
رضا کے سامنے آ کر تو زانوئے ادب تہہ کر

ایک اردو مخطوطہ میں ذکرِ رضا

انوار محمد عظیم آبادی

پیش نظر عنوان میں ''اردو مخطوطہ'' سے ہمارا اشارہ اس قلمی کتاب کی طرف ہے۔ جو سیّد ''شاہ فضل امام واقفؔ اردلی ثم عظیم آبادی'' [۱] متولد ۱۹۱۶ء متوفی ۱۹۹۳ء کی یادگار ہے اور جس کا نسخہ ''نگارشاتِ واقفؔ'' کے نام سے بہ خط مصنف، کتب خانہ خدا بخش پٹنہ میں محفوظ ہے۔ کتب خانہ مذکور کے اس مملوکہ مخزونہ فرمائی مخطوطہ کا نمبر بالترتیب ,ACC4134,ACC4144 تا ACC4146 اور ACC4952 تا ACC4959 ہے۔ بیسوی صدی عیسوی کے ربع آخر میں لائبریری کے اس وقت کے ڈائرکٹر جناب عابد رضا بیدار کی فرمائش پر شاہ فضل امام واقفؔ سے لکھوایا گیا، بارہ جلدوں پر مشتمل یہ مخطوط اگرچہ ''نگارشات علامہ واقف'' کے نام سے بعنوان محفوظ رکھا گیا ہے۔ لیکن اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ خود حضرت واقف اسے ''تاریخ تہذیب وتمدن عظیم آباد [۲] یا ''تاریخ تہذیب بہار ومملکت ہند'' [۳] یا ''اوراق پریشاں واقف [۴]'' جیسا کوئی نام دینے کے خواہش مند تھے۔ اور اپنی اس علمی خدمت کے لحاظ سے خود کو وقائع نگار، مرقع نگار، شخصیت نگار، تذکرہ نگار، تاریخ نگار، روایت نگار، دیدہ نگار شنیدہ نگار، درخدا بخش لائبریری پٹنہ [۵] شمار کرتے تھے۔

کہنے کی ضرورت نہیں کہ ''نگارشاتِ واقف'' مصنف کی زندگی کے آخری دور کا کارنامہ ہے اور اس میں تاریخ وتہذیب، شخصیات ونظریات اور تحریکات وواقعات کے تعلق سے بہت سارے موضوعات ومضامین زیر بحث آئے ہیں۔ لیکن یہاں فی الواقعہ اس مخطوطہ کی کیفیت وکمیت یا اُس کے مصنف کی زندگی کے حالات اور علمی وادبی کارناموں پر روشنی ڈالنا مطلوب نہیں بلکہ فی الوقت اس مخطوطہ کے تعلق سے جس پہلو کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ اس میں دیگر موضوعات ومباحثات کے دوش بدوش جا بجا حضرت شاہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز، ان کے مشاہیر تلامذہ، بیسویں صدی میں بریلی مکتبِ فکر کے اکابر علماء شعراء اور ''بریلوی طرز فکر'' کی کامیاب نمائندگی کرنے والی عظیم المرتبت شخصیات کا تذکرہ حوالۂ قرطاس ہوتا رہے جو یقیناً بجائے خود بہت ہی معلوماتی دلچسپ اور کئی لحاظ سے پڑھنے اور غور کرنے کی چیز ہے۔ خصوصاً حضرت رضا کے عہد، ان کی زندگی اور ان کے کارناموں سے متعلق جو سطریں لکھی گئی ہیں، وہ بہر حال لائق مطالعہ ہیں۔ ان سطروں کی اہمیت اس اعتبار سے بھی مزید بڑھ جاتی ہے کہ شاہ فضلِ امام واقفؔ کو ایک ایسی بزرگ شخصیت کا پوتا ہونے کی سعادت حاصل ہے جو فاضل بریلوی کے والد گرامی کے ہم درس رہ چکی تھی انہوں نے خود لکھا ہے کہ:

''میرے دادا سیّد شاہ اطہر حسین، رئیس اعظم اردل، فاضل علوم معقول ومنقول بڑے زبردست جفّار اور عامل بھی تھے۔۔۔ اور چونکہ وہ فاضل بریلی مولانا نقی علی خاں کے ہم درس رہ چکے تھے۔ اس لئے مولانا احمد رضا خاں صاحب دادا مرحوم کی بڑی

عزت کرتے تھے اور ان سے عزیزانہ انداز سے ملتے تھے۔'' [۷]

مزید برآں حضرت واقفؔ نے یہ وضاحت بھی کردی ہے کہ:

'' مولانا احمد رضا خاں بریلوی (قدس سرہ) میرے ہم عقیدہ بزرگ تھے۔'' [۸]

اور شاید ان ہی باتوں کا اثر ہے کہ نگارشات واقفؔ'' میں نہ صرف یہ کہ بریلوی مکتبِ فکر کے مشاہیر علماء کا ذکر جا بجا ہوتا رہا ہے بلکہ حضرت رضا کے والد گرامی [۹] اور خود حضرت رضا کا تذکرہ مختلف پہلوؤں سے کیا گیا ہے۔ مصنف نے یہ کلمات صریح لکھا ہے کہ:

'' خدا کی رحمتیں ہوں ان پر میں ان سے عقیدت و محبت رکھتا ہوں، وہ بہت بڑے عالم اہل سنت والجماعت تھے ان کی خدمات دینی بے اندازہ ہیں۔ [۱۰] پھر ایک مقام پر اکابر علمائے دیوبند کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ:

''حضرت فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں مرحوم کا ذہن و فکر تو ان حضرت سے بالکل مختلف تھا۔ رسول اللہ ﷺ سے بے انتہا شیفتگی احترام وادب ان کے مسلک کا امتیازی نشان ہے۔[۱۱]

اسی طرح بعض مقامات پر حضرت واقفؔ نے امام احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری پر بھی کھل کر اظہار خیال کیا ہے۔ کلام اقبال سے ان کے بعض نعتیہ شعر کا ہم مضمون فارسی شعر پیش فرمایا ہے۔ اور جہاں ایک طرف یہ بات لکھی ہے کہ:

'' فاضل بریلوی ہر مسئلہ ہر جملہ اور فقرہ کو فقہی اور شرعی نقطہ نگاہ سے دیکھنے کے عادی تھے۔'' [۱۲]

وہیں دوسری طرف یہ بھی تحریر کیا ہے کہ:

'' مولانا احمد رضا بریلوی کی نعت گوئی بھی اردو زبان میں اپنا مقام رکھتی ہے۔۔۔اس میں اعتقاد یہ بھی ہے، جذبات بھی ہیں، ندرتِ مضمون بھی ہے، صفائی بیان بھی ہے اور حضور سیّد کائنات ﷺ کے خلق عظیم کی مؤثر و دل نشین تصویر بھی۔'' [۱۳]

اتنا ہی نہیں بلکہ نگارشات واقفؔ میں حضرت رضا کی زندگی کے بعض واقعات [۱۴] علمائے فرنگی محل کے تعلق سے فتاوے کا تذکرہ [۱۵] اور تحریکِ ترکِ مولات کے زمانے کے بعض معاملات کا ذکر بھی موجود ہے، مثلاً ایک جگہ لکھا گیا ہے کہ:

'' مولانا احمد رضا خاں اس تحریکِ ترکِ موالات کے مخالف تھے۔ وہ دو بنیادی باتیں ارشاد فرما رہے تھے کہ انگریزوں سے ترکِ موالات اور ہنود بالخصوص گاندھی جی سے موالات، یہ کیا ناشائستہ حرکت ہے۔ کفار سے موالات قیامت تک حرام ہے۔ ہندو ہوں یا عیسائی، سکھ ہوں یا پارسی، یہودی ہوں یا مجوسی، مشرک ہوں یا دہریے۔ تم لوگ جو جی چاہے کرتے پھرو مگر شریعت کی اصطلاح کو بازیچۂ اطفال مت بناؤ۔۔۔اس مسئلہ میں بریلوی طرزِ فکر کی ترجمانی مولانا ظفر الدین ملک العلماء نے کی تھی۔'' [۱۶]

حضرت واقفؔ کے اس بیان سے بلاشبہ اس بات کی بھی توثیق ہوتی ہے کہ حضرت رضاؔ کے فکری و اصلاحی مشن کو کامیابی کے ساتھ آگے بڑھانے میں ان کے مشہور زمانہ بہاری شاگرد کا بہت ہی اہم حصہ رہا۔ واقعی یہ بہت ہی خوش گوار اتفاق ہے کہ حضرت رضاؔ کی زندگی اور کارناموں کا مطالعہ کرتے ہوئے کسی بھی مؤرخ اور سوانح نگار کے لئے صوبۂ بہار سے حضرت رضاؔ کے ہمہ جہت تعلق کو فراموش کرنا ممکن نہیں مثال کے لئے زیر بحث مخطوطہ پر ہی غور کیا جائے تو یہ کہے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ شاید یہ

پہلا اردو مخطوطہ ہے جس میں حضرت رضاؔ، ان کے والد گرامی اور ان کے ارشد تلامذہ کا ذکر بار بار آیا ہے اور یہ مخطوطہ ایک بہاری ادیب و شاعر کے قلم سے بہار ہی کی سرزمین پر لکھا گیا اور بہار ہی کی راجدھانی پٹنہ میں واقع عالمگیر شہرت یافتہ لائبریری میں محفوظ ہے۔

یہاں حضرت رضاؔ کے تعلق سے اس مخطوطہ کے جو اقتباسات نقل ہوئے ہیں وہ اگرچہ بجائے خود یہ بتانے کے لئے کافی ہیں کہ حضرت رضاؔ سے حضرت واقفؔ کی عقیدت و محبت کچھ کم نہ تھی لیکن زیرِ بحث مخطوطہ کی مزید ورق گردانی سے صاف صاف اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت واقفؔ بعض معاملات اور مباحثات میں مثلاً "نکتۂ استعانت" وغیرہ کی وضاحت میں حضرت رضا اور بریلوی مکتبۂ فکر کے اکابر علماء کی باتوں سے بالکلیہ مطمئن نہیں بلکہ جابجا ان سے گہرا علمی اختلاف رکھتے ہیں۔ [۱۷] اس طرح بعض مقامات پر اپنی تحریر کے دوران حضرت واقفؔ نے ازراہِ طنز و ظرافت جو اسلوب اپنایا ہے وہ بھی حد درجہ بے محل ہے اتنا ہی نہیں بلکہ ان کی تحریروں سے بسا اوقات ان کی ذہنی رو کے بھٹکنے اور ان کے بے جا تعلّی میں میں ڈوب جانے کا جو منظر سامنے آتا ہے وہ بھی ہمیں کافی مایوس کرتا ہے اور اس کی روشنی میں اس بات کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ "نگارشات واقفؔ" کے بعض افکار و خیالات اور واقعات و بیانات کا ضروری علمی تجزیہ کیا جائے تاکہ مستقبل میں اس مخطوطہ سے استفادہ کرنے والوں کے لئے احتیاط کی راہ اپنانا آسان ہوجائے۔ یہاں یہ سطریں محض تعارفاً ہی لکھی گئی ہیں ورنہ حقیقت ہے کہ خالص علمی و تحقیقی نقطۂ نظر سے اس موضوع پر کام کرنے کی گنجائش بھی ہے اور سنجیدہ علمی ضرورت بھی۔

حواشی

۱، ۲ نگارشات واقف ACC4144 ص ۲۳۹
۳ // // ACC4134 ص ۶۸
۴، ۵ // // CC4952 ص ۶۳ اور ص ۱۱۶۴
۶ // // ACC4134 ص ۲۲
۷ // // ACC4144 ص ۱۷۱
۸ // // ACC4953 ص ۲۱۳
۹ // // ACC4145 ص ۱۶۰
۱۰، ۱۱ // // ACC4146 ص بالترتیب ص ۲۶۵ و ص ۲۷۰
۱۲ // // ACC4953 ص ۲۱۶
۱۳ // // ACC4952 ص ۲۷ و ۲۸
۱۴ // // ACC4144 ص ۴۹۰
۱۵ // // ACC4952 ص ۱۱۹۴
۱۶ // // ACC4144 ص ۱۱۹
۲۰ // // CC4146 ص ۲۷۰ و ص ۲۷۱

امام احمد رضا کے ہم عصر

دبستانِ رام پور کے ممتاز شعرا

ڈاکٹر رضاء الرحمٰن عاکف سنبھلی

امام احمد رضا قدس سرہٗ نہ صرف علاقۂ روہیل کھنڈ بلکہ برصغیر پاک و ہند کی وہ عبقری و عظیم شخصیت ہے جس کی ذاتِ والا نہ صرف عالم باعمل، فقیہِ دین، منبع طریقت، پیکرِ شریعت ہی ہے بلکہ آپ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ آپ بے شمار علوم اسلامیہ و عصریہ کے محض معارف شناس ہی نہیں بلکہ آپ کی شخصیت جامع علوم و فنون تھی اور آپ کو ان پر پوری طرح سے دسترس و کمال حاصل تھا۔ انہی جملہ علوم و فنون میں ادب و شاعری بھی ہے۔ یہ حقیقت تو قارئین کرام پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ بہ حیثیت نعت گو آپ کو سخن گوئی میں وہ عظیم الشان کمال حاصل ہے جس کی مثال پورے اردو ادب میں ملنا مشکل ہی نہیں، بلکہ شائد ناممکن بھی ہے۔

مولانا کی پیدائش ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۸۵۶ء میں ہوئی اور وہ ۱۹۲۱ء مطابق ۱۳۴۰ھ میں اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ اس طرح ان کی مدتِ حیات انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل پر محیط ہے۔ یعنی انیسویں صدی کی آخری تین دہائیاں اور بیسویں صدی کی ابتدائی دو دہائیوں پر مشتمل ان کی مدتِ عمر کل ۶۵ سال رہی ہے۔ ان ۶۵ سالوں میں اردو کے شعرا کا کیا مزاج رہا؟ اور خود اردو شاعری نے کیا کیا ترقی کی؟ ان سبھی باتوں کا جائزہ ان سطور میں لیا جائے گا۔ اس سے پہلے کہ اس عہد کے چند مشاہیر سخن کا تعارف پیش کریں ہم نہایت ضروری سمجھتے ہیں کہ علاقۂ روہیل کھنڈ کے اس عہد کے شعری ماحول پر بھی ایک نظر ڈالتے چلیں۔ یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے مقالہ کے اس حصے میں صرف مشاہیر شعرا کا ہی ذکر کیا جائے گا اور ان میں بھی صرف انہی حضرات کو ترجیح دی جائے گی، جن کا تعلق کسی نہ کسی شکل میں مولانا موصوف سے رہا ہے۔

اردو شاعری میں دبستانِ دہلی اور دبستانِ لکھنؤ کو بہت ہی شہرت حاصل ہوئی اور ان دونوں دبستانوں سے وابستہ شعراء نے اردو ادب کے عروس ہائے سخن کو سنوارنے اور اردو شاعری کے نوشگفتہ غنچوں کو معنبر و معطر بنانے میں کلیدی رول ادا کیا ہے۔ لیکن ہندوستان کے مغلیہ اقتدار اور لکھنؤ کے نوابین کے کمزور ہوجانے پر ان دبستانوں کے اہم شعراء نے روہیل کھنڈ کی چھوٹی مگر نہایت مضبوط ریاست (ریاست رامپور) کی طرف رجوع کیا۔ ان شعراء کے یہاں جمع ہونے سے اردو کے تیسرے اہم دبستان کا وجود ظہور میں آیا، جسے اردو ادب کی تاریخ میں ''دبستانِ رام پور'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہی دبستان آگے چل کر دہلوی اور لکھنوی دبستانوں کا حسین امتزاج ہوا جس کا اعتراف اردو زبان و ادب کے اکثر اہلِ علم نے کیا ہے جیسا کہ اس سلسلہ میں رام بابو سکسینہ نے لکھا ہے:

''اس اجتماع شعرا کا یہ نتیجہ بہت اچھا ہوا کہ اس کی وجہ سے دلی اور لکھنؤ کے مختلف طرز آپس میں مل گئے اور ایک نئے طرز کی بنیاد پڑی جس کی ابتدا نواب یوسف علی خاں کے زمانے میں ہو چکی تھی۔''

(تاریخ ادب اردو، ص: ۳۵۵)

اس سلسلے میں ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب نے قدرے تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ چناں چہ اپنے ایک مضمون میں وہ اس طرح رقم طراز ہیں:

''رام پور میں لکھنؤ اور دہلی کے طرز میں شعر کہنے والے شعرا کا اجتماع نواب یوسف علی خاں (م ۱۸۶۵ء) کے عہدِ فرماں روائی سے شروع ہوا اور جس کی رونق نواب کلب علی خاں (م ۱۸۸۷ء) کے عہد میں دوبالا ہوئی۔ طرزِ لکھنؤ کے نمائندہ میر مظفر علی خاں اسیرؔ (م ۱۸۸۲ء)، سید اسماعیل حسین منیرؔ شکوہ آبادی (م ۱۸۸۰ء)، امداد علی بحرؔ (م ۱۸۸۷ء) اور ارشد علی خاں قلقؔ (م ۱۸۷۹ء) تھے۔ دوسری طرف غالبؔ و مومنؔ کے اثرات پہلے ہی موجود تھے اور داغؔ کا طوطی بول رہا تھا۔ ان دونوں دبستانوں کے شعرا میں امیر اللہ تسلیمؔ (م ۱۹۱۱ء) ایک ایسا شاعر تھا جو لکھنوی ہوتے ہوئے بھی طرزِ دہلی کا پیرو تھا۔ رامپور میں لکھنؤ اور دہلی

کے طرز کے مقابلے سے یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ شعرائے لکھنؤ نے جذبات اور وارداتِ قلب کو اپنے اشعار میں راہ دے کر خارجیت و سوقیت کے عیوب سے کنارہ کشی اختیار کی۔ جس کے ثبوت حکیم سید ضامن علی جلالؔ (م ۱۹۰۹ء) اور ان کے تلامذہ کے دواوین سے ملتا ہے۔ خود امیرؔ مینائی کے دیوان دوم ''صنم خانۂ عشق'' میں داغؔ کے اثراتِ شعری کا سراغ ملتا ہے۔ رام پور میں شعرائے لکھنؤ کا جذبات و واردات کو نظم کرنے کا رویہ ایک عمدہ قدم تھا۔ تاہم اس سے بھی زیادہ اہم بات الفاظ کی صحت اور عدم صحت پر غور و فکر کا رویہ تھا جس نے بالواسطہ الفاظ کی خارجیت اور سوقیت کو دور کر کے جذبات و واردات کی معنویت اور تہہ داری کی گنجائش پیدا کی۔''

(نظام رام پوری: حیات و شاعری، ص: ۱۶۴)

درج بالا اقتباس میں جن شعرا کے احوال کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ چوں کہ مولانا احمد رضا خاں کے بھی ہم عصر تھے اور انہوں نے اردو کے اس اہم دبستان ''دبستانِ رام پور'' کے شعری ادب میں نمایاں مقام حاصل کیا، اس لیے آئندہ سطور میں اس کا قدرے تفصیلی ذکر کیا جائے گا۔ مولانا احمد رضا خاں علاقہ روہیل کھنڈ سے تعلق رکھتے تھے اور ریاست رامپور بھی اسی علاقہ روہیل کھنڈ سے متعلق تھی، اسی وجہ سے دبستانِ رامپور کا مولانا احمد رضا خاں سے براہِ راست اور گہرا تعلق رہا ہے۔ اسی بناء پر یہاں کے شعری و ادبی ماحول کا آپ کی ادبی زندگی پر اثر انداز ہونا ایک فطری امر تھا۔

دبستانِ رام پور کی بنیاد تو نواب یوسف علی خاں ناظمؔ کے دورِ حکومت سے ہی پڑ چکی تھی، مگر یہ دبستانِ شاعری اپنے عروج پر پہنچا تو نواب کلب علی خاں کے دورِ حکومت میں جس کے اثرات نواب مشتاق علی خاں اور نواب حامد علی خان کے عہد حکومت تک رہے۔ متذکرہ بالا نوابینِ رام پور کا عہدِ حکومت مندرجہ ذیل سطور میں تحریر کیا جارہا ہے جس کا مقصد قارئین پر یہ واضح کرنا ہے کہ ''دبستانِ رام پور'' کے عروج کا زمانہ ہی دراصل مولانا احمد رضا خاں کے حیاتِ جاودانی کا دور ہے اور یقیناً اس کے اثرات مولانا کی شخصیت پر بھی ضرور مرتب ہوئے ہوں گے۔ نوابینِ رام پور کے کچھ اہم سربراہانِ حکومت کی مدتِ حکومت اسی طرح رہی۔ نواب یوسف علی خاں (۱۸۵۵ء۔ ۱۸۶۵ء)، نواب کلب علی خاں (۱۸۶۵ء۔ ۱۸۸۷ء)، نواب مشتاق علی خاں (۱۸۸۷ء۔ ۱۸۸۹ء)، نواب حامد علی خاں (۱۸۸۹ء۔ ۱۹۳۰ء)۔ ریاست رام پور کے ادبی و شعری ماحول پر نواب یوسف علی خاں ناظمؔ کے بعد نواب کلب علی خاں (مدتِ حکومت ۲۳ برس) اور نواب حامد علی خاں (مدتِ حکومت ۴۱ برس) نے نہایت اہم اثر ڈالا۔ کیوں کہ ان کا دورِ حکومت لمبے عرصے پر محیط ہے اور یہ دونوں ہی علم و ادب کے قدر دان بھی تھے، اسی وجہ سے شعر و ادب کے حوالے سے ان کا دورِ حکومت بڑی اہمیت کا حامل رہا ہے، اور دبستانِ رام پوران دونوں حضرات کا مرہونِ منت رہے گا۔ شبیر علی خاں شکیبؔ نے تصنیف ''رام پور کا دبستانِ شاعری'' میں اس مدت کے شعرا کو دورِ دوم اور دورِ سوم کے نام سے منسوب کیا ہے، جیسا کہ انہوں نے اپنی مذکورہ تصنیف میں اس کا ذکر کیا ہے:

''دبستانِ رام پور کے شعرا کو بھی مندرجہ ذیل چار ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱۔ دورِ اول: ۱۷۷۴ء تا ۱۸۴۰ء۔ عہدِ نواب فیض اللہ خاں تا نواب احمد علی خاں رندؔ

۲۔ دورِ دوم: ۱۸۴۰ء تا ۱۸۸۷ء۔ عہدِ نواب محمد سعید خاں، نواب یوسف علی خاں ناظمؔ، نواب کلب علی خاں نواب

۳۔ دورِ سوم: ۱۸۸۷ء تا ۱۹۳۰ء۔ عہدِ نواب مشتاق علی خاں، نواب حامد علی خاں رشکؔ

۴۔ دورِ چہارم: ۱۹۳۰ء تا دورِ حاضر۔ عہدِ نواب رضا علی خاں تا حالِ رواں۔'' (رام پور کا دبستانِ شاعری، ص: ۹)

چوں کہ یہاں امام احمد رضا خاں کے ہم عصر شعراء کا تعارف مقصود ہے، اس لیے اس دبستان کے صرف دورِ دوم اور دورِ سوم کے چند نہایت اہم و ممتاز شعراء کا ذکر کیا جارہا ہے۔

قلقؔ، خواجہ ارشد علی خاں عرف خواجہ اسد:

خواجہ ارشد علی خاں، خواجہ بہادر حسین فراقؔ کے گھر واقع لکھنؤ میں ۱۲۲۴ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ قلقؔ ان کا تخلص تھا۔ ناسخؔ کے شاگردِ رشید تھے۔ دبستانِ رامپور کے دورِ دوم کے صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ قلقؔ نے محلات کی زبان نہایت ہی خوبصورتی کے ساتھ استعمال کی ہے۔ ان کے کلام میں بلا کی سادگی، حسن اور سلاست ہے۔ مضامین نہایت بلند اور

خوبصورت ہیں۔ اسلوب بیان نہایت دل کش اور جاذب نظر ہے۔ مختصر یہ کہ وہ دبستانِ رامپور سے وابستہ لکھنوی انداز کے نمائندہ شاعر تھے۔ ان کا انتقال رامپور میں ہی ۲۷ر ذی قعدہ ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۳ر نومبر ۱۸۷۹ء کو ہوا۔

منیر شکوہ آبادی:

ان کا اصل نام سید محمد اسماعیل نقوی تھا۔ یہ سید احمد نقوی کے گھر شکوہ آباد ضلع مین پوری میں ۹ر ذی الحجہ ۱۲۲۹ھ مطابق ۲۲ر نومبر ۱۸۱۴ء کو پیدا ہوئے۔ منیؔر نے لکھنؤ میں تعلیم و تربیت حاصل کی، مختلف مقامات پر بہ سلسلۂ ملازمت رہے۔ ریاست باندہ کے نواب علی بہادر کے استاذ وئے۔ انقلاب کے بعد ان کو بھی قید و بند کی سختیاں جھیلنی پڑیں۔ رہائی کے بعد فوراً نواب رام پور کے درباری شعراء میں شامل ہوگئے۔ ناسؔخ کے شاگردوں میں منیؔر کا پایہ بہت بلند ہے۔ سوؔدا اور ذوؔق کے بعد قصیدے میں ان کا ہی نمبر آتا ہے۔ الفاظ پرشکوہ، بندشیں چست اور خیالات بلند ہیں۔ مبالغہ کی طرف طبیعت کا خاص میلان ہے، اسی وجہ سے قصیدے میں نمایاں مقام حاصل کیا۔

اسیر لکھنوی، میر مظفر علی:

منشی مظفر علی اسیر ابن سید مدد علی ۱۲۱۵ھ مطابق ۱۸۰۰ء میں قصبہ امیٹھی میں پیدا ہوئے۔ ابتداہی سے لکھنؤ آ گئے۔ لکھنؤ آنے کے بعد اسیر رام پور پہنچے۔ نواب رام پور نے سرپرستی فرمائی۔ اسیر عمر بھر نواب رامپور کی قدردانیوں کے اسیر رہے۔ انہیں جملہ اصناف سخن پر دسترس حاصل تھی۔ ان کے کلام میں بلا کی صفائی وروانی موجود ہے، اندازِ بیان میں ندرت بھی ہے اور جدت بھی۔ رنگِ تغزل ہر جگہ نمایاں ہے۔ اسیر کے تلامذہ میں امیر مینائی، منشی احمد علی شوق، انجم نیشاپوری جیسے مشاہیرِ سخن ہوئے۔

بحر لکھنوی، شیخ امداد علی:

شیخ امداد علی بحؔر، خلف شیخ امام بخش، فیض آباد میں ۱۲۲۵ھ مطابق ۱۸۸۳ء کو پیدا ہوئے۔ فنِ شاعری میں انہوں نے ناسؔخ کی شاگردی اختیار کی۔ مالی حالت زیادہ بہتر نہ تھی، اسی عسرت و تنگ دستی میں بسر اوقات ہورہی تھی۔ والیِ ریاست رام پور نواب کلب علی خاں بہادر کو خبر ہوئی تو انہوں نے ان کو رامپور بلالیا۔ انہوں نے نواب یوسف علی خاں کی مدح میں مختصر سا قصیدہ لکھا ہے اور نواب زادہ ذوالفقار علی خاں خلف نواب کلب علی خاں کی شادی کے موقع پر قطعۂ تہنیت کے بھی چند اشعار ملتے ہیں جس سے آپ کے رامپور آنے اور یہاں قیام کرنے کا ثبوت ملتا ہے اور یہی ان کے دبستانِ رام پور سے تعلق کی واضح دلیل ہے۔ اخیر عمر میں نواب کلب علی خاں سے اجازت لے کر لکھنؤ چلے گئے تھے۔ وہیں ۱۳۰۰ھ مطابق ۱۸۸۲ء میں انتقال کیا۔

امیؔر مینائی:

اصل نام میر احمد تھا، یہ مولوی کرم محمد مینائی کے یہاں ۱۶ر شعبان المعظم مطابق ۱۸۲۸ء بروز دوشنبہ ساڑھے دس بجے دن بہ مقام لکھنؤ پیدا ہوئے۔ ان کا سلسلۂ نسب لکھنؤ کے مشہور بزرگ مخدوم شاہ مینا سے ملتا ہے، اسی مناسبت سے خود کو مینائی لکھتے ہیں۔ بچپن ہی سے شاعری کا ذوق رکھتے تھے۔ ۱۸۵۶ء میں واجد علی شاہ کی معزولی کے بعد ترکِ وطن کرکے رام پور چلے آئے جہاں نواب یوسف علی خاں کے دربار سے منسلک ہوگئے۔ ۱۸۶۵ء میں نواب کلب علی خاں کے ہاتھ میں ریاست کی عنانِ سلطنت آئی تو انہوں نے امیر مینائی کی شاگردی اختیار کرلی۔ داغؔ کی طرح امیر مینائی کو بھی قیامِ رامپور کے دوران شہرت اور درجۂ استادی حاصل ہوا۔ امیر مینائی رام پور دربار سے بیالیس سال تک وابستہ رہے۔ یہاں انہوں نے تذکرہ ''انتخاب یادگار'' اور ''امیر اللغات'' جیسے عظیم الشان کتابیں تخلیق فرمائیں۔ امیر کی زبان لکھنؤ کی ٹکسالی زبان ہے۔ ان کا کلام فصیح، شیریں، سلیس اور لوچ دار ہے۔ ان کو صحت زبان، روزمرہ اور محاورے کا خاص خیال رہتا تھا۔ ان کی غزلیں تصوف، اور عشق ومحبت کے جذبات سے لبریز ہیں۔ ذوقِ سخن بہت پاکیزہ ہے۔

امیر مینائی رام پور کے بعد حیدر آباد چلے گئے تھے، جہاں ۱۹ر جمادی الاولیٰ ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۳ر اکتوبر ۱۹۱۰ء کو راہیِ ملکِ بقا ہوئے اور حیدرآباد کے مشہور قبرستان ''قبرستان شاہ یوسف شاہ'' میں مدفون ہیں۔

داغؔ دہلوی:

نام نواب مرزاں خاں خلف نواب شمس الدین خاں لوہارو

۱۸۳۱ء میں پیدا ہوئے۔ چار برس کی صغرسنی میں ہی یتیم ہوگئے۔ والد کے انتقال کے بعد والدہ نے مرزا فخرو (خلف بہادر شاہ ظفر) سے شادی کرلی تھی اس لیے انہیں قلعۂ معلیٰ کا ماحول میسر آیا۔ ان کا تعلق ریاست رام پور سے بھی رہا، مولوی غیاث الدین سے فارسی پڑھی جہاں نواب کلب علی خاں بھی ان کے ہم مکتب رہے۔ داغ نے فنِ شاعری میں استاذ ذوق کی شاگردی اختیار کی تھی۔ رام پور میں ان کے بہت سے شاگرد ہوئے، جن میں اکثر خود بھی استادِ فن تسلیم کیے گئے۔

نواب مرزا داغ دہلوی اردو کے مسلم الثبوت استاد اور صاحب طرز شاعر تھے، دلی کی ٹکسالی زبان، روزمرہ کی صفائی، فصاحت وسلاست، مضمون کی شوخی، بیان کی ندرت، تیکھا پن، معاملہ بندی، سہل ممتنع ان کے کلام کی اہم خصوصیات ہیں۔ انہی خوبیوں کی بنا پر ان کا کلام شاہکار کی حیثیت حاصل کر گیا ہے۔ انہوں نے ۹ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۴ فروری ۱۹۰۵ء میں حیدرآباد میں انتقال کیا اور وہیں درگاہِ یوسفین میں مدفون ہوئے۔

جلالؔ ضامن علی:

میر ضامن علی جلال خلف حکیم اصغر علی لکھنؤ میں ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۳۰ء میں پیدا ہوئے۔ جلالؔ نے آصف الدولہ کے مدرسے میں تعلیم حاصل کی۔ بچپن ہی میں شعر وشاعری کی طرف راغب ہوئے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد رام پور چلے گئے جہاں ان کے والد دربارِ رام پور میں یوسف علی خاں ناظم کے درباری ملازم ہوگئے۔ ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۸۵۶ء میں یہی جلالؔ کو بھی ملازمت مل گئی، جہاں آپ نواب کلب علی خاں کے عہدِ حکومت تک ملازم رہے۔ کچھ عرصہ ریاست منگرول (کاٹھیاواڑ) میں نواب حسین میاں کے ہاں بھی رہے، یہاں سے لکھنؤ چلے گئے۔ اخیر عمر میں نواب حامد علی کی جانب سے اعزازی تنخواہ پر بحال ہوگئے۔ ان کی وفات لکھنؤ میں چار شنبہ ۴ رشوال ۱۳۲۷ھ مطابق ۲۰ ر اکتوبر ۱۹۰۹ء میں ہوئی۔ ان کے یہاں فنی خوبیوں کی بہتات ہے۔ لطافتِ زبان اور تحقیق الفاظ کا ثبوت قدم قدم پر ملتا ہے۔ جلال نے غزل کے ساتھ ہی قصائد پر بھی خاص توجہ دی۔ زبان کا طرز شگفتہ اور حسنِ بیان پر ان کو عبور حاصل تھا۔

تسلیمؔ امیر اللہ:

شیخ منشی احمد حسین عرف امیر اللہ ۱۲۳۵ھ مطابق ۱۸۱۹ء کو فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام مولوی عبدالصمد انصاری تھا۔ ابتدائی تعلیم وتربیت لکھنؤ میں حاصل کی۔ شاعری میں اصغر علی خاں نسیم دہلوی سے اصلاح لی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد رام پور آگئے۔ کچھ دنوں رام پور رہنے کے بعد دوبارہ لکھنؤ واپس چلے گئے۔ ۱۸۷۳ء میں دوبارہ پھر نواب کلب علی خاں کے دورِ حکومت میں رام پور آکر ملازم ریاست ہوئے۔ انہوں نے ۲۸ ر جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ مطابق ۲۷ مئی ۱۹۱۱ء کو لکھنؤ میں انتقال کیا اور وہیں باغ خدایار خاں میں دفن ہوئے۔

تسلیم لکھنؤ کے پرگو شاعر تھے۔ انہیں غزل، قصیدہ اور مثنوی گوئی پر بڑی قدرت حاصل تھی۔ ان کا کلام سلیس، بے تکلف اور زوردار ہے۔ صفائی، فصاحت اور دل پذیری بھی پائی جاتی ہے۔ غزل میں روانی کے ساتھ صداقت، رنگینی اور درد واثر بھی ہے۔ الفاظ کے حسنِ انتخاب اور زورِ بیان پر قدرت ہونے کی وجہ سے کلام میں روانی اور رعنائی پائی جاتی ہے۔

قارئین کرام! یہاں دبستانِ رام پور کے مذکورہ شعرا کا تذکرہ کرنے سے ہماری کوشش یہ ہے کہ ہم واضح کردیں کہ مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ کا دورِ حیات علم وادب اور شعر وسخن کے اعتبار سے کس درجہ ترقی یافتہ اور عروج پر تھا۔ لہٰذا ایسے عظیم الشان دور میں بھی فاضلِ بریلوی کی شاعرانہ عظمت ونعت گوئی کا جاہ وجلال پوری طرح اس حقیقت کا غماز ہے کہ آپ کی شعری عظمتیں محض اس قابل ہی نہیں کہ آپ کے کلامِ بلاغت نظام کو چند چھوٹے موٹے اور غیر معروف شعرا کے مقابلے پر ہی رکھا جائے بلکہ آپ کی شعری صلاحیتیں اور ادبی شعور اس درجہ بلندیوں سے ہم کنار ہے کہ عظیم سے عظیم شعرا کے مقابل آپ کے کلام کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ بالخصوص نعت گوئی میں تو آپ کی عظمتوں کا سکہ منہ چڑھ کر بول رہا ہے۔

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھادیے ہیں

قتل برائے غیرت اور امام احمد رضا محدث حنفی

مقالہ نگار: پروفیسر دلاور خان*

جذبات اور شخصیت لازم و ملزوم ہے یہ جذبات انسان کو رد عمل کرنے کا باعث ہوتے ہیں جذبات انسانی زندگی کے تمام شعبہ جات اور روزمرہ کے اعمال پر مسلط ہیں۔ آئے دن لڑائی جھگڑے، کشت و خون، قتل و غارت احتجاج، سب جذبات کی مختلف شکلیں جو مختلف محرکات کے تحت رونما ہوتی ہیں۔

جذبات ہمارے ردِعمل، ہماری جذباتی حالت اور کردار و عمل پر غالب آجاتے ہیں۔ اس سے ہم جذبات کے زیر اثر ہو جاتے ہیں اور عقل و خرد بلند مقاصد نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے اس طرح اکثر اوقات شرمندگی، بے وقوفی کے احساسات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

جب انسانی فکر شدید غصہ کی حالت میں تعطل کا شکار ہو جاتی ہے تو انسان احساسات پر قادر نہیں رہتا کہ صحیح سوچ سکے یا صحیح فیصلہ کر سکے اور اس سے غلطی میں مبتلا ہونا آسان ہو جاتا ہے۔ اسی لیے انسان غصہ کی حالت میں بڑی آسانی سے شیطان کا شکار ہو جاتا ہے ۔ شیطان انسان سے غصے کی حالت میں بہت سے ایسے اقوال و اعمال صادر کراتا ہے جس پر انسان کے غصہ فرو ہونے کے بعد فکرِ سلیم کے واپس آنے پر ندامت ہوتی ہے۔

اسلام میں جذبات کی قوت کو بڑی اہمیت ہے اس لیے ان کی تہذیب و تربیت کے لیے خصوصی تعلیم اور تزکیہ کا نظام موجود ہے۔ وہ مسلمانوں کے جذبات کو کچلنا کسی طرح پسند نہیں کرتا اور نہ ہی اس بات کی اجازت دی جاتی ہے کہ ان کے اظہار کے لیے بے تکے اور اپنے من پسند طریقوں کو استعمال میں لایا جائے۔ جذبات کے اظہار میں بھی اعتدال و توازن اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ باقی دوسرے امور زندگی میں اس لیے اسلام جذبات کے اظہار میں توازن واعتدال کا داعی ہے۔

خواتین ہمارے معاشرے کا ۵۲% طبقہ ہے۔ اسلامی تناظر میں انہیں اعلیٰ مقام حاصل ہے اور وہ اہم کردار کی حامل ہیں لیکن عصر حاضر میں خواتین اسلام کے عطا کردہ حقوق سے محروم نظر آتی ہیں۔ اسلام تعلیمات پر ثقافتی یلغار نمایاں دکھائی دیتی ہے، کہیں جبری شادی، جسمانی، ذہنی تشدد، تیزاب پھینکنے، ونی کی رسم اور کہیں غیرت کے نام پر قتل کرنا معمول ہے۔ اگر اس ظالمانہ کیفیات کا نفسیاتی تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت بالکل عیاں ہے کہ یہ سب کچھ جذبات کے اظہار کے بے تکے طریقے ہیں جن کی مہذب معاشرے، بالخصوص اسلام میں قطعاً گنجائش نہیں ہے۔

غیرت کے نام پر مردوں کے ہاتھوں قتل کی جانے والی خواتین سے متعلق یہ تصور کر لیا جاتا ہے کہ انہوں نے ایسا عمل کیا ہے جس سے مرد کی غیرت مجروح ہوئی ہے۔ اس مرد کی غیرت اور جذبات کی تسکین کی صرف ایک صورت ہے کہ خاتون کو قتل کر کے اسے ابدی نیند سلا دیا جائے اور اسے قتل کرنے کے لیے زبردستی سماجی دباؤ اور جذبات کو مشتعل کرنے کے لیے کئی ہتھکنڈے استعمال کیے جاتے ہیں۔ جو مرد ان افواہوں سے صرف نظر کرتے ہیں ان کا معاشرتی مقاطعہ اور بے غیرت تصور کیا جاتا ہے۔ کبھی خواتین بھی اس آگ بھڑکانے میں نمایاں کردار ادا کرتی ہیں اور اس قتلِ ناحق کی حمایت کرتی دکھائی دیتی ہیں۔

ان خواتین کی نہ تو نمازِ جنازہ پڑھائی جاتی ہے اور نہ ہی

* پرنسپل جامعہ ملیہ گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن، ملیر (prof.dilawarkhan@gmail.com)

انہیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جاتا ہے غیرت کا ہرگز مطلب یہ نہیں کہ ہر شخص جذبات میں قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لے اور بلا تحقیق قیمتی انسانی جانوں کو ضائع کرنے کو اپنا حق سمجھنے لگے۔

اس پس منظر میں ایک خط ۲۱ ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ کو ڈیرہ غازی خان بلاک ۱۲ سے مولانا احمد بخش صاحب نے رہنمائی کے لیے مفکرِ اسلام احمد رضا خان محدث حنفی کو لکھا کہ ''گزارش ہے کہ علاقہ پہاڑی میں بعض واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ زانی ومزنیہ کو زنا کی حالت میں قتل کر ڈالتے ہیں، اور بعض واقعات یہ ہیں کہ جب ان کے نزدیک عورت کو کسی بیگانے کے ساتھ بیٹھتا ہوا یا آتا جاتا ہوا دیکھتے ہیں تو پہلے چند مرتبہ اسے منع کرتے ہیں اور اس کے باز نہ رہنے کے بعد اس عورت کو قتل کر دیتے ہیں اور اگر کر سکتے ہیں، تو اس بیگانہ کو بھی نہیں چھوڑتے، بموجب شرع شریف ان دونوں صورتوں میں قاتل گنہگار ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔''

مولانا احمد رضا خان نے اس کا جواب دو حصوں میں اس طرح مرحمت فرمایا:

''اس سلسلہ میں اضطراب کثیر ہے اور وہ جو فقیر کو کتب معتمدہ دلائل شرعیہ سے تحقیق ہوا یہ ہے کہ صورت ثانیہ میں ان مرد وزن کا قتل محض حرام ہے فقط آنے جانے، اٹھنے بیٹھنے کی سزا شریعت نے بھی قتل نہ رکھی نہ اس قدر خلوت کو مستلزم، اور حق یہ ہے کہ مجرد خلوت بلکہ دواعی پر بھی شرع مطہر نے قتل نہ رکھا اور سیاست کا اختیار غیر سلطان کو نہیں بلکہ سلطان کو بھی علی الاطلاق نہیں کل ذالک معلوم من الشرع بلا خفاء (یہ سب کچھ شرع سے بلا خفاء معلوم ہے) ''[1]

''لاجرم یہ ناحق قتل مسلم ہوا اور وہ سخت کبیرہ اور شدیدہ ہے اور قاتل پر قصاص عائد۔ صورت اولیٰ میں بھی حکم مطلق نہیں بلکہ واجب ہے کہ پہلے جز و ضرب وقہر کریں، اگر جدا ہوجائیں تو عامہ کو اس کا قتل حرام ہے۔ ہاں شہادات اربع گزریں یا مروجہ شرعی چار مجلسوں میں اقرار ہوں تو ان میں جو محصن ہو سلطان اسے رجم فرمائے گا''[2]

آپ مزید اس مسئلے کا شرعی تجزیہ یوں فرماتے ہیں ''ہم عنقریب ثابت کریں گے کہ ایسی صورت میں محض زنا کی دواعی مثلاً چھونے، بوسہ لینے یا معانقہ کرنے کی وجہ سے قتل کرنا حلال نہیں چہ جائیکہ کی محض خلوت نشینی کی وجہ سے قتل حلال ہو اور مجھے ان (امام ہندوانی) سے پہلے اُس بارے میں کسی کا قول معلوم نہیں ہوا تو اس زمانے کے ایک عالم کے متفرد قول کی بناء پر کسی مسلمان کے قتل پر کیسے جرات کی جاسکتی ہے جبکہ اس قول کی وجہ بھی بعید ہو اور پہلے بھی کسی نے یہ بات نہ کہی ہو اور نہ ہی اس پر کوئی دلیل ہو بلکہ اصول شرع اور عظیم الشان ائمہ کرام کی نصوص کے خلاف ہو''[3]

آپ ایک جگہ اور اس مسئلے کی تفصیل یوں بیان فرماتے ہیں کہ ''اقول (میں کہتا ہوں) کہ اللہ تعالیٰ نے زنا کی دواعی میں قتل کو مشروع نہیں فرمایا اور نہ ہی امام کے غیر کو سیاسی قتل روا رکھا ہے بلکہ دواعی تو صرف صغیرہ گناہوں میں سے ہے۔۔۔۔۔۔ جبکہ اسلاف سے ہر کبیرہ گناہ کے مرتکب کے متعلق قتل منقول نہیں ہے چہ جائیکہ کہ کسی صغیرہ گناہ پر قتل منقول ہو اور اگر صغائر کے متعلق بھی قتل کو جائز قرار دے دیا جائے اور عوام کو یہ اختیار دے دیا جائے تو پھر امن تہہ و بالا ہو جائے اور مسلمانوں میں قتل عام شروع ہو جائے والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ بتائیے لوگوں کی جہالت سے صغایر سے کوئی دن خالی ہے تو ہر کیا ہر ایک مرتکب صغیرہ قتل کیا جائے حلانکہ یہ کہیں بھی اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں ہے''[4]

جذبات کے ہاتھوں غیرت کے نام قتل کئے جانے سے متعلق شیخ الاسلام احمد رضا محدث حنفی کی تحقیقات سے درج ذیل نکات

بآسانی اخذ کیے جاسکتے ہیں۔

(۱) فقط آنے جانے اٹھنے بیٹھنے کی سزا شریعت میں قتل کرنا نہیں ہے۔

(۲) محض زنا دواعی پر شرع مطہر نے قتل کی سزا نہیں رکھی۔

(۲) قتل کی سزا دینے کا اختیار صرف سلطان کو شریعہ کی حدود میں رہ کر حاصل ہے۔

(۳) ایسا قتل مسلم ناحق ہے۔

(۴) قاتل پر قصاص عائد ہے۔

(۵) ہر کبیرہ گناہ کے مرتکب کے متعلق قتل کی سزا منقول نہیں۔

(۶) صغائر سے متعلق قتل قرار دے دیا جائے تو قتل عام شروع ہو جائے گا اور معاشرے کا امن تہہ و بالا ہو جائے گا۔

تحقیقات رضا کے اثرات

مفکرِ اسلام احمد رضا محدث حنفی نے ۱۳۳۹ میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں غیرت کے نام پر ناحق قتل کیے جانے کے سدِ باب میں جو خدمات انجام دیں ان کے بین الاقوامی اثرات نمایاں طور پر دکھائی دیتے ہیں۔ یورپی یونین کے ترجمانی کے فرائض ادا کرتے ہوئے جنیوا میں سوئیڈن کے ایلچی جوہن مولینڈر اپریل ۲۰۰۰ء میں اقوام متحدہ کے حقوق انسانی کمیشن کے سامنے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ''غیرت'' کے نام پر خواتین کے قتل سمیت ضرر رسموں یا روبہ عمل رواجوں کے خاتمے کیلیے عمل پیرا ہونا چاہیے۔''

۲۵ نومبر ۲۰۰۰ء کو کوفی عنان نے کہا کہ ''غیرت کے نام پر قتل، جنہیں میں باعث شرم قتل، کہنے کو ترجیح دیتا ہوں، جیسی ضرر رساں رواجی دستور کے خلاف عالمگیر تحریک شروع ہو چکی ہے۔''

نومبر ۲۰۰۰ میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں اس پر رائے شماری کرائی گئی قرارداد بعنوان ''غیرت کے نام پر خواتین (کے قتل) کے خلاف جرائم کی بیخ کنی کے لئے کام کرنا، بھاری اکثریت سے منظور کر لی گئی'' ۵

اسلام آباد میں ۲۱ اپریل ۲۰۰۰ء کو حقوق انسانی پر کنونشن میں اپنے افتتاحی خطاب میں جنرل مشرف نے کہا تھا: ''میری حکومت، ایسی فضاء قائم کرنے کی جان توڑ کوشش کرے گی جہاں ہر پاکستانی اپنی زندگی آبرومندی اور آزادی سے گزار سکے۔۔۔ حکومت پاکستان نام نہاد ''قتل برائے غیرت'' کی بھرپور مذمت کرتی ہے۔ ہمارے مذہب اور قانون میں ایسی کاروائیوں کی کوئی گنجائش نہیں ہے'' انہوں نے مزید کہا تھا کہ ''غیرت کے نام پر ہلاک کرنا قتل ہے اور اس پر اسی طرح کی کاروائی کی جائے گی۔'' ۶

جولائی ۲۰۰۰ء کے ایک حکومتی اعلامیہ کے مطابق ایسی ہلاکتوں میں کوئی چیز ''قابلِ عزت'' نہیں ہے: ''یہ رواج ان قدیم قبائلی رسموں سے لیا گیا ہے جو اسلام مخالف ہیں۔۔۔۔ حکومت نے اپنے تمام تر وسائل کے ساتھ اس کے تدارک کا عہد کر رکھا ہے۔ پاکستان کی موجودہ قیادت غیرت کے نام پر ہلاکتوں کو خصوصی مذمت کا نشانہ بناتے ہوئے حقوقِ انسانی کی قومی مہم کا آغاز کر چکی ہے۔ انتظامی احکام کا اجرا ہو چکا ہے۔ ۷

ستمبر ۲۰۰۰ء میں وزیر داخلہ جنرل (ر) معین الدین حیدر نے کہا کہ انہوں نے پولیس کو حکم جاری کر دیا ہے کہ وہ ''غیرت'' کے نام پر کیے گیے جرائم کی ایف آئی آر درج کرے چاہے قاتلوں کو جرگوں کی پشت پناہی کیوں نہ حاصل ہو کیونکہ قانون میں جرگوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ان کا یہ بھی کہنا تھا ''اس رسم کے خاتمے کے لیے قانون میں ترمیم کی جارہی ہے۔ اور غیرت کے نام پر قتل کا ارتکاب کرنے والوں کو پھانسی کی سزا دی جائے گی۔'' ۸

لندن پولیس کے انسپکٹر آف کانسٹیبلری رابن فلیڈ اسمتھ نے کہا ہے کہ کاروکاری کسی ایک معاشرے یا کسی ملک کا مسئلہ نہیں بلکہ یہ ایک عالمگیر مسئلہ ہے جس کے خاتمے کے لیے ہمیں مشترکہ کوشش کرنا ہوں گی۔ دورہ حیدرآباد کے موقع پر یہاں

صحافیوں سے بات چیت کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ پہلے برطانیہ میں بھی غیرت کے نام پر عورتوں کو قتل کیا جاتا تھا لیکن موثر قانون سازی تحقیقاتی نظام اور پولیس کی تربیت کے بعد اس مسئلے پر کافی حد تک قابو پالیا گیا ہے اور اس حوالے سے وہ پاکستان کی پولیس اور متعلقہ اداروں کو تربیت دینے اور ان معاملات سے نمٹنے کی حکمت عملی کے متعلق آگاہی دینے پاکستان آئے ہیں۔ ان کے ہمراہ آئے ہوئے کردستان کی عدالت کے جج عدنان حسن نے کہا کہ پاکستان میں لوگ غیرت کے نام پر ماں، بیٹی، بہو کو قتل کر کے فخر محسوس کرتے اور فخریہ طور پر گرفتاری دیدیتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ کردستان میں بھی سو سال قبل یہ صورتحال عروج پر تھی لیکن دو تین سال سے اس صورتحال پر قابو پالیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ کردستان میں عورتوں پر تشدد کی اجازت نہیں ہے اور غیرت کے نام پر قتل کرنے والے شخص کو کسی صورت میں معاف نہیں کیا جاتا ہے۔ ۹

افکارِ رضا کی روشنی میں قانون سازی

فکرِ رضا کی روشنی میں اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان نے ۶ اور ۷ ستمبر ۱۹۹۹ء کو اپنے ۱۳۹ ویں اجلاس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ:

"حالانکہ اسلام کی رو سے جنسی بداخلاقی گناہ کبیرہ میں سے ایک ہے جس کے لیے اسلام نے سخت ترین سزا تجویز کی ہے پھر بھی کسی فرد کو قانون ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں ہے نیت کچھ بھی ہو ارادتاً قتل کرنا ایک مجرمانہ فعل ہے جو قتل عمداً کے زمرے میں آتا ہے اور اس پر قصاص واجب ہے" ۱۰

جسٹس (ر) ناصر اسلم زاہد کی سربراہی میں قائم کردہ "خواتین کمیشن" نے اگست ۱۹۹۷ میں پیش کردہ اپنی سفارشات میں قرار دیا کہ "غیرت کے مسلہ پر قاتلانہ واردات کو قانون کے مطابق قتل عمداً قرار دیا جائے اور اس کے لیے مناسب قانون سازی کی جائے" (رپورٹ باب نمبر ۶) ۱۱

قانون فوجداری ترمیمی ایکٹ سال ۲۰۰۴ کی دفعہ ۲ کی ذریعہ موجودہ دفعہ ۳۰۰ تعزیرات پاکستان میں وضاحتی اضافہ کرتے ہوئے "اس میں کاروکاری، کالا کالی؛ سیہ کاری، غیرت وعزت کے نام پر قتل کئے جانے کی جتنی صورتیں ہیں وہ قتل عمداً ہوگا اور اس کی سزا موت ہوگی۔" ۱۲

دفعہ ۳۰۲ کی مجوزہ شق ڈی کے اضافہ میں بیان کیا گیا ہے کہ غیرت کے تمام قتل جو دفعہ ۳۰۰ کی وضاحت میں کئے گئے ہیں ان میں صرف قانون قصاص ہی لاگو ہوگا۔ ۱۳

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اقوام متحدہ کی قرارداد، کوفی عنان کا بیان، اسلامی نظریاتی کونسل کا فیصلہ، صدرِ پاکستان کا خطاب، خواتین کمیشن کی رپورٹ، ترمیمی ایکٹ ۲۰۰۴ میں مفکرِ اسلام احمد رضا محدث حنفی کے فتویٰ کی صداقت، ثقہ تحقیقات اور اسلامی نظریہ کو من وعن تسلیم کرتے ہوئے قانون سازی کا فریضہ انجام دے کر فکرِ رضا کی عملی تنفیذ کی راہیں ہموار کی گئی ہیں اور خواتین کی جان کا تحفظ کرتے ہوئے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں عصر حاضر کے نام نہاد حقوق انسانی کے علم برداروں کو خواتین کے حقوق کے تحفظ کا آئینہ بھی دکھایا ہے اور حقوق انسانی سے متعلق اسلام کے بارے میں پھیلائی گئی غلط فہمیوں کا ازالہ بھی بہت موثر اور معروضی اندازِ تحقیق میں بھرپور انداز سے کیا گیا ہے۔

عصرِ حاضر کا محقق الشیخ احمد رضا محدث حنفی کی تحقیقات انیقہ متاثر ہو کر برملا پکار اٹھتا ہے کہ:

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلّم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھادیئے ہیں

یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ شیخ الاسلام احمد رضا محدث حنفی نے غیرت کے نام پر قتل جیسے جرائم کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے قتل وغارت کا دروازہ بند کیا تو دوسری طرف بے حیائی، عریانی فحاشی، اور جنسی عیاشی جیسے معاشرتی ناسوروں کا قلع قمع کرنے اور غیرت وعزت، عصمت وعفت جیسی اسلامی اقدار کے تحفظ کے لیے انفرادی و اجتماعی سطح پر یہ اقدامات تجویز کئے ہیں تا کہ مغربی آزاد معاشرے کے نفوذ کی راہیں مسدود ہوسکیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ:

(۱) ایک ہلکے (گناہ) کہ حد کی حد تک نہ پہنچے، جیسے اجنبیہ سے بوس وکنار ان پر حد مقرر نہیں ہوگی ان کی مقدار زیادہ ہے اور مولیٰ عزوجل اس سے پاک ہے کہ کسی مجرم کو اس کی حد جرم سے زیادہ سزا دے ایسے گناہوں پر تعزیر رکھی جاتی ہے۔۱۴

(۲) نیک بات کا حکم دینا اور بری بات سے روکنا جہاں تک اپنی قدرت میں ہو مسلمان پر ضرور ہے۔۱۵

(۳) کسی سختی جائز پر قدرت رکھتا ہے تو اسے بجا لائے۔ ۱۶

(۴) اسے برادری سے خارج کر دیا جائے۔ ۱۷

(۵) مسلمان اس سے میل جول چھوڑ دیں۔ ۱۸

(۶) نابالغ کو تنبیہ کریں۔ ۱۹

(۷) سمجھائیں اور فہمائش کریں۔۲۰

(۸) علانیہ توبہ کریں۔۲۱

(۹) وعظ ونصیحت کریں۔ ۲۲

ماخذ ومراجع

(۱) احمد رضا امام بریلوی، فتاویٰ رضویہ جدید، جلد ۱۳، ص ۶۲۹، مطبوعہ لاہور، ۱۹۹۸ء۔
(۲) نفس المصدر، ص، ۶۲۹۔
(۳) نفس المصدر، ص، ۶۳۹۔
(۴) نفس المصدر، ص، ۶۴۱، ۶۴۲۔
(۵) ایمنسٹی انٹرنیشنل انڈیکس ASA 33/006/2002، ص ۴۳، اپریل ۲۰۰۲
(۶) نفس المصدر، ص ۴
(۷) نفس المصدر، ص ۴
(۸) نفس المصدر، ص ۴
(۹) روزنامہ جنگ کراچی ۱۵ مارچ ۲۰۰۷
(۱۰) ایمنسٹی انٹرنیشنل انڈیکس ASA 33/006/2002، ص ۵، اپریل ۲۰۰۲
(۱۱) ماہنامہ محدث جلد نمبر ۳۶، شمارہ نمبر ۱۱، صفحہ نمبر ۲۷، نومبر ۲۰۰۶ لاہور
(۱۲) نفس المصدر، صفحہ نمبر ۶۹
(۱۳) نفس المصدر، صفحہ نمبر ۷۵
(۱۴) احمد رضا امام بریلوی، فتاویٰ رضویہ جدید، جلد ۱۳، ص ۶۲۵، مطبوعہ لاہور، ۱۹۹۸ء۔
(۱۵) نفس المصدر، ص ۶۲۸
(۱۶) نفس المصدر، ص ۶۲۸
(۱۷) نفس المصدر، ص ۶۲۱
(۱۸) نفس المصدر، ص ۶۲۱
(۱۹) نفس المصدر، ص ۶۲۷
(۲۰) نفس المصدر، ص ۶۲۸
(۲۱) نفس المصدر، ص ۶۲۱
(۲۲) نفس المصدر، ص ۶۲۱

کنزالایمان کے علمی امتیازات

فکرواستدلال کی روشنی میں ایک تحقیقی مقالہ

مولانا صدرالوریٰ قادری*

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا وہ معجز کلام ہے جو ساری کائنات کے لئے سرچشمۂ ہدایت ہے۔ اس کا فیضان کسی خاص مکان یا کسی محدود زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ رہتی دنیا تک سارے عالم کی رشد و ہدایت کا منبع اور گم گشتگانِ راہ کے لئے مینارۂ نور ہے۔ اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ خود لیا: انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔[الحجر ۱۵:۹] (بیشک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بیشک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔ کنزالایمان) اور سارے عالم کو اس میں تدبر اور غور وفکر کا حکم دیا گیا۔ ارشادِ ربانی ہے:

کتٰب انزلنٰه الیك مبارك لیدبروا ایته و لیتذکر اولو الالباب۔ [ص ۳۸:۲۹]

(یہ ایک کتاب ہے کہ ہم نے تمہاری طرف اتاری برکت والی تاکہ اس کی آیتوں کو سوچیں اور عقلمند نصیحت مانیں۔ کنزالایمان)

افلا یتدبرون القران ام علی قلوب اقفالها۔ [محمد ۴۷:۲۴]

(تو کیا وہ قرآن کو سوچتے نہیں یا بعضے دلوں پر ان کے قفل لگے ہیں۔

مگر چوں کہ قرآن حکیم خالص عربی زبان میں نازل ہوا اور اس کے معانی و مفاہیم اتنے زیادہ ہیں جن کا احاطہ عام انسانوں کے بس سے باہر ہے۔ اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"لو شئت أن أوقر سبعین بعیرا من تفسیر أم القرآن لفعلت"

(الاتقان: ۲/۱۸۶)

اگر میں سورہ فاتحہ کی تفسیر ستر اونٹ کے بوجھ برابر کرنا چاہوں تو کرسکتا ہوں۔

یہ تو ایک چھوٹی سی سورت کا حال ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے بارگاہِ رسالت سے فیض یافتہ راسخ فی العلم صحابی اس کی تفسیر پر آجائیں تو ستر (۷۰) اونٹ کا بوجھ ہوجائے تو بڑی سورتوں کا کیا حال ہوگا۔ اسی لیے قرآن کریم کا ارشاد ہے:

"لو کان البحر مداد الکلمت ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمت ربی ولو جئنا بمثله مددا۔" (سورہ کہف، آیت:۱۰۹)

(اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لیے سیاہی ہو تو ضرور سمندر ختم ہوجائے گا اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی، اگرچہ ہم ویسا ہی اور اس کی مدد کو لے آئیں۔ کنزالایمان)

اسی بنا پر عجم ہی نہیں بلکہ خود عربوں کے لیے بھی اس کی تفسیر و تاویل کی ضرورت پڑی جو اہلِ لسان تھے، جن کی زبان میں قرآن نازل ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ عربی زبان میں سینکڑوں کتب تفسیر وجود میں آئیں مگر بلادِ عجم بالخصوص برصغیر ہندوپاک میں عربی زبان وادب کی بہ نسبت اردوداں افراد کی تعداد زیادہ تھی، اس لیے اردو زبان میں بھی اس مقدس کتاب کے ترجمہ وتفسیر کی ضرورت محسوس ہوئی اور کسی کلام کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنے کا کام کس قدر مشکل و اہم ہے، اس کا اندازہ وہی لگا سکتا ہے جس کو فن ترجمہ وانشا پردازی سے کچھ شغف ہو، اور وہ بھی کسی عام کلام کا ترجمہ نہیں بلکہ کلام الٰہی کا ترجمہ، جس میں اس قدر علمی تبحر، وسعت مطالعہ، دقتِ نظر، بلوغ فکر اور حزم واحتیاط درکار ہے کہ خالص اپنی رائے پر اعتماد کے اس کا کوئی معنی متعین نہیں کیا جاسکتا گو کہ وہ معنی صحیح ہو۔ نبی کریم ﷺ ارشاد

* استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارکپور

فرماتے ہیں:

''من قال فی القران برأیه فأصاب فقد أخطاء''

(رواه الترمذی و ابو داؤد)

جس نے قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہا، صحیح کہا پھر بھی خطا کی۔

اردو زبان میں بہت سارے ترجمے کیے گئے جن میں شاہ رفیع الدین اور مولانا شاہ عبدالقادر کے ترجمے سب سے پہلے معرضِ وجود میں آئے۔ ان کے بعد ڈپٹی نذیر احمد کا ترجمۂ قرآن شائع ہوا لیکن انہوں نے جا بجا ترجمہ میں محاورات کو دخیل کر کے قرآن حکیم کے معانی و مفاہیم کو گم کر دیا اور اکثر مقامات پر اپنے نیچری خیالات کے اثبات کی کوشش کی۔

ان پُر آشوب حالات میں قوم مسلم کو ایک صحیح اور سلیس اردو ترجمے کی ضرورت تھی جسے مجددِ اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے احسن طریقے پر انجام دیا جو کنزالایمان کے نام سے پورے عالمِ اسلام میں جانا پہچانا جاتا ہے جس میں تعظیم حرماتِ الٰہیہ اور تحفظِ ناموسِ رسالت اور حفظ عقائد اہلِ سنت کی بھرپور رعایت و پاسداری کی گئی ہے۔ یہ ترجمہ کس طرح وجود میں آیا، اس کی روداد بیان کرتے ہوئے مولانا مفتی بدرالدین علیہ الرحمۃ والرضوان رقم طراز ہیں:

''صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ نے قرآن مجید کے صحیح ترجمہ کی ضرورت پیش کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت سے ترجمہ کر دینے کی گزارش کی، آپ نے وعدہ فرمالیا لیکن دوسرے مشاغلِ دینیہ کثیرہ کے ہجوم کے باعث تاخیر ہوتی رہی۔ جب حضرت صدر الشریعہ کی جانب سے اصرار بڑھا تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا، چوں کہ ترجمے کے لیے میرے پاس مستقل وقت نہیں ہے، اس لیے آپ رات میں سونے کے وقت یا دن میں قیلولہ کے وقت آجایا کریں۔ چنانچہ حضرت صدر الشریعہ ایک دن کاغذ، قلم اور دوات لے کر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور یہ دینی کام بھی شروع ہو گیا۔

ترجمہ کا طریقہ یہ تھا کہ اعلیٰ حضرت زبانی طور پر آیاتِ کریمہ کا ترجمہ بولتے جاتے اور صدر الشریعہ اس کو لکھتے رہتے۔ لیکن یہ ترجمہ اس طرح پر نہیں تھا کہ آپ پہلے کتبِ تفسیر و لغت کو ملاحظہ فرماتے، بعدہٗ آیت کے معنی کو سوچتے پھر ترجمہ بیان کرتے بلکہ آپ قرآن مجید کا فی البدیہہ برجستہ ترجمہ زبانی طور پر اس طرح بولتے جاتے جیسے کوئی پختہ یادداشت کا حافظ اپنی قوتِ حافظہ پر بغیر زور ڈالے قرآن شریف روانی سے پڑھتا جاتا ہے۔ پھر جب صدر الشریعہ اور دیگر علمائے حاضرین اعلیٰ حضرت کے ترجمے کا کتبِ تفسیر سے تقابل کرتے تو یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے کہ اعلیٰ حضرت کا یہ برجستہ فی البدیہہ ترجمہ تفاسیر معتبرہ کے بالکل مطابق ہے۔ الغرض اسی قلیل وقت میں یہ ترجمہ کا کام ہوتا رہا، پھر وہ مبارک ساعت بھی آگئی کہ حضرت صدر الشریعہ نے اعلیٰ حضرت سے قرآن مجید کا مکمل ترجمہ کرالیا اور آپ کی کوششِ بلیغ کی بدولت دنیائے سنیت کو کنزالایمان کی دولتِ عظمیٰ نصیب ہوئی۔''

(سوانح اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ، ص: ۲۷۴-۲۷۵)

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ترجمے میں جہاں بھرپور سلاست و روانی اور ادبیت و جودتِ تعبیر پائی جاتی ہے، وہیں اس امر کا بھی پورا التزام ہے کہ ترجمہ لغت کے مطابق ہو اور الفاظ کے متعدد معانی میں ایسے معنی کا انتخاب کیا جائے جو آیت کے سیاق و سباق کے اعتبار سے زیادہ موزوں ہو اور جہاں حضرات صحابۂ کرام سے متعدد تفسیریں منقول ہیں وہاں اسی تفسیر کا انتخاب کیا جو حضرات خلفائے راشدین اور افقہ الصحابہ بعد الخلفاء الراشدین سیدنا عبداللہ بن مسعود اور ترجمان القرآن سیدنا عبداللہ بن عباس اور اقرأ الصحابہ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ یہ وہ جلیل القدر صحابہ ہیں جو تمام صحابۂ کرام میں تفسیر قرآن میں معروف و ممتاز تھے۔

مفسر قرآن حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اشتهر بالتفسير من الصحابة عشرة الخلفاء الاربعة و ابن مسعود و ابن عباس و ابی بن كعب و زيد بن ثابت و ابوموسیٰ الأشعری و عبد الله بن زبير۔

دس صحابۂ کرام تفسیر میں مشہور ہوئے، چار خلفا اور عبد اللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس اور ابی بن کعب اور زید بن ثابت انصاری اور ابوموسیٰ اشعری اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم۔

اسی طرح جہاں لفظی ولغوی ترجمہ سے شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں وہاں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے ایسا ترجمہ کیا جس سے وہ تمام شکوک وشبہات دور ہوجاتے ہیں اور علوم بلاغت کی بھی پوری رعایت کی ہے، جبکہ دیگر مترجمین کے یہاں اس کی کوئی رعایت نہیں ہے۔ اثباتِ مدعیٰ کے طور پر اس کے کچھ شواہد نذر قارئین کیے جاتے ہیں:

پہلا شاہد:

ذالك الكتاب لاريب فيه۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قدس سرہٗ نے اس کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا:

''وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں۔''

ہر اہلِ فہم پر یہ بات روشن ہے کہ لفظ ''ذالک'' اشارۂ بعید کے لیے آتا ہے اور کبھی اسکے ذریعہ مسند الیہ کی تعظیم مقصود ہوتی ہے، اس طور سے کہ مسند الیہ ایسا عظیم المرتبت و رفیع الدرجت ہوتا ہے کہ عام لوگوں کے مرتبے سے اس کا مرتبہ اتنا بلند اور دور ہوتا ہے کہ اس تک سب کی رسائی نہیں ہو پاتی تو بُعدِ مرتبت و رفعت وشان کو بُعدِ مسافت کی منزل میں اتار کر اسم اشارۂ بعید سے اس کی تعبیر کی جاتی ہے اور کتاب اللہ کی شانِ رفعت و رفعتِ شان ایسی ہے کہ اس جیسا کلام لانا انسان و دیگر مخلوقات کے بس سے باہر ہے۔ قرآن کریم بہ بانگِ دہل یہ اعلان کررہا ہے:

''قل لئن اجتمعت الإنس والجن علىٰ أن يأتوا بمثل هذا القران لايأتون بمثله ولو كان بعضهم لبعض ظهيرا۔''

تم فرماؤ اگر آدمی اور جن سب اس بات پر متفق ہوجائیں کہ اس قرآن کی مانند لے آئیں تو اسکا مثل نہ لاسکیں گے، اگرچہ ان میں ایک دوسرے کا مددگار ہو۔ (اسرا ۶:۱۷، آیت:۸۸)

علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ ''ذالک'' کے اس معنیٰ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''أو تعظيمه بالبعد نحو الٓم ذالك الكتب لاريب فيه تنزيلا لبعد درجته ورفعة محله منزلة بعد المسافة۔''

(مختصر المعانی ص:۷۷)

یا بُعد کے ذریعہ اس کی تعظیم مقصود ہوتی ہے جیسے الم ذالک الکتاب لاریب فیہ۔ اس طور سے مسند الیہ کے مرتبہ کی دوری اور مقام کی بلندی، بُعد مسافت کی منزل میں اتار لی گئی ہے۔

اسی طرح یہ بھی ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ بعض دواعی و اسباب کی بنیاد پر کلام کبھی مقتضیٰ ظاہر کے خلاف پیش کیا جاتا ہے۔ اس وقت غیر سائل کو سائل کی منزل میں اور غیر منکر کو منکر کی منزل میں کرکے اس کے ساتھ وہی اندازِ تخاطب اختیار کیا جاتا ہے جو ایک سائل اور منکر کے ساتھ انداز اپنایا جاتا ہے۔ یوں ہی کبھی منکر کو غیر منکر کی منزل میں کرکے اس کے ساتھ غیر منکر کا رویہ اختیار کیا جاتا ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب حکم ایسا واضح ہو کہ ہر ذی فہم پر اس کی حقانیت عیاں ہو اور اس پر ایسے دلائل قائم ہوں کہ انکار کرنے والا ان دلائل میں ذرا بھی غور کرے تو اس کے انکار سے باز آجائے، اس کی مثال

قرآن حکیم ہے۔ اس کے کلام اللہ ہونے میں جو شک کرتے ہیں، وہ اگر اس کے دلائلِ اعجاز اور وجوہِ بلاغت میں ذرا بھی غور کریں تو وہ شک نہ کریں گے۔ اس کا کلام اللہ ہونا ایسا واضح ہے کہ یہ کوئی شک کا محل ہے ہی نہیں۔ علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ویجعل المنکر کغیر المنکر اذا کان معه ما إن تأمله ارتدع عن إنکاره نحو لاریب فی ظاهر هذا الکلام أنه مثال لجعل منکر الحکم کغیره وترك التاکید لذالك وبیانه أن معنی لاریب فیه لیس القران بمظنة للریب ولاینبغی أن یرتاب فیه وهذا الحکم مما ینکره کثیر من المخاطبین لکن نزل انکارهم منزلة عدمه لما معهم من الدلائل الدالة علی انه لیس مما ینبغی ان یرتاب فیه۔"

اور منکر کو غیر منکر کی طرح کر دیا جاتا ہے، جب کہ اس کے ساتھ ایسے دلائل ہوں کہ اگر انکار کرنے والا ان میں غور وفکر کرے تو انکار سے باز آ جائے جیسے لاریب فیہ۔ اس کلام کا ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم کے منکر کو غیر منکر کی طرح کرنے کی مثال ہے، اسی وجہ سے تاکید یہاں ترک کر دی گئی ہے اور اس کا بیان یہ ہے کہ ''لاریب فیہ'' کا معنی یہ ہے کہ قرآن شک کی جگہ نہیں ہے اور اس میں شک کرنا نامناسب ہے اور یہ حکم ایسا ہے جس کا انکار بہت سے مخاطب کرتے ہیں لیکن ان کے انکار کو عدم انکار کی منزل میں اتار لیا گیا کیونکہ ان کے ساتھ ایسے دلائل ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس میں شک کرنا بالکل ہی نامناسب ہے۔ (مختصر المعانی، ص:۵۰)

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ان دونوں خوبیوں کی رعایت کرتے ہوئے یہ ترجمہ فرمایا کہ ''وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں۔'' اب دیکھیں کیا دوسرے تراجم میں بھی ان خوبیوں کی رعایت کی گئی ہے۔ اس پر ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں بلکہ ناظرین اس کا فیصلہ خود فرمالیں۔ مولوی محمود الحسن دیوبندی ان الفاظ میں ترجمہ کرتے ہیں:

''اس کتاب میں کچھ شک نہیں۔''

مولوی اشرف علی تھانوی ترجمہ کرتے ہیں:

''یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں۔''

ان مترجمین نے لفظ ''ذالک'' کا ترجمہ لفظ ''اس'' یا ''یہ'' سے کیا ہے جبکہ یہاں اس معنی میں ذالک نہیں ہے۔ اسی طرح دوسری خوبی کی بھی کوئی رعایت ان ترجموں میں نہیں ہے۔

دوسرا شاہد:

یایها الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون (البقرة: ۲۱)

اس آیت کا ترجمہ دیوبندی مکتب فکر کے پیشوا مولوی محمود الحسن دیوبندی نے ان الفاظ میں کیا:

''اے لوگو بندگی کرو اپنے رب کی جس نے پیدا کیا تم کو اور ان کو جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔''

اس ترجمہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جناب مترجم صاحب نے لفظ ''لعل'' کو ''کی'' کے معنی میں لیا ہے اور ان کے علاوہ دیگر مترجمین نے بھی یہی ترجمہ کیا ہے۔ جبکہ مفسر قرآن علامہ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ اسے ضعیف قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کی مثال لغت میں ثابت نہیں کہ "لعل" "لکی" کے معنی میں آتا ہو۔ چنانچہ رقم طراز ہیں:

"وقیل تعلیل للخلق أی خلقکم لکی تتقوا کما قال وما خلقت الجن والإنس إلا لیعبدون۔ وهو ضعیف إذ لم یثبت فی اللغة مثله۔"

اور ایک قول یہ ہے کہ یہ علت خلق کا بیان ہے یعنی تمہیں اس لیے پیدا کیا کہ پرہیزگار بنو جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا اور میں نے جن و

انس کو اس لیے پیدا کیا تا کہ وہ عبادت کریں اور یہ قول ضعیف ہے کیونکہ اس کی مثال لغت میں ثابت نہیں۔

اب اس کی راجح تفسیر کیا ہوگی۔ اس تعلق سے علامہ قاضی بیضاوی فرماتے ہیں:

"حال من الضمير في اعبدوا كأنه قال اعبدوا ربكم راجين أن تنخرطوا في سلك المتقين الفائزين بالهدى والفلاح المستوجبين لجوار الله تعالىٰ"

اعبدو کی ضمیر سے حال ہے گویا کہ فرمایا اپنے رب کی اطاعت کرو، یہ امید کرتے ہوئے کہ ان پرہیزگاروں کی لڑی میں داخل ہو جاؤ جو ہدایت وفلاح پر فائز ہیں، اللہ تعالیٰ کی پناہ کے مستحق ہیں۔

(تفسیر بیضاوی، ص: ۴۱)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اسی راجح تفسیر کو اختیار کرتے ہوئے ترجمہ فرمایا:

''اے لوگو اپنے رب کو پوجو جس نے تمہیں اور تم سے اگلوں کو پیدا کیا، یہ امید کرتے ہوئے کہ تمہیں پرہیزگاری ملے۔''

اس ترجمہ سے خوب عیاں ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے "لعل" کو "لکی" کے معنی میں نہیں لیا ہے بلکہ اسے "اعبدوا" کی ضمیر سے حال مانا ہے۔

عصمت انبیاء اور کنزالایمان:

بعض مترجمین نے کچھ مقامات میں قرآن کریم کے ظاہری معنی کو لے کر عصمت انبیاء علیہم السلام پر حملے کی ناکام کوشش کی تو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے وہاں پر ایسا ترجمہ فرمایا جس سے ان مترجمین کے ترجمے سے پیدا ہونے والے شبہات خود بہ خود رفع ہو جاتے ہیں۔ ان شبہات کو دور کرنے کے لئے الگ سے کسی استدلال کی ضرورت نہیں۔ ذیل میں اس کی بھی ایک نظیر پیش کی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "ووجدك ضالا فهدى"

[الضحیٰ ۹۳: ۷]

مولوی محمود الحسن دیوبندی نے اس کا ترجمہ کیا:

''اور پایا تجھ کو راہ بھٹکتا ہوا پھر راہ سمجھائی۔''

مولوی اشرفعلی تھانوی نے ان الفاظ میں ترجمہ کیا:

''اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو (شریعت سے) بے خبر پایا سو آپ کو (شریعت کا راستہ) دکھلایا۔''

مودودی صاحب نے یہ ترجمہ فرمایا:

''اور تمہیں ناواقفِ راہ پایا اور پھر ہدایت دی۔''

ناظرین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان ترجموں سے عصمتِ نبی ﷺ پر بھرپور آنچ آ رہی ہے، جسے دفع کرنا بے حد ضروری تھا تا کہ اسلام دشمن عناصر عصمتِ انبیاء علیہم السلام پر حملے کی جرأت نہ کر سکیں۔ اس لیے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ''ضال'' کا ظاہری معنی یہاں پر نہیں لیا بلکہ وہ معنی اختیار کیا جس سے نبی اکرم ﷺ کی عظمت کا بھرپور ظہور ہوتا ہے اور ساتھ ہی عصمت کے تعلق سے کوئی شبہہ نہیں پیدا ہوتا۔ اب اعلیٰ حضرت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں، وہ رقم طراز ہیں:

''اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔''

یعنی اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے ''ضال'' کا ترجمہ خود رفتہ یعنی محب سے کیا ہے۔ اب یہاں غور کا مقام یہ ہے کہ کیا اعلیٰ حضرت سے پہلے بھی کسی نے اس آیت میں ضال کا ترجمہ محب کے لفظ سے کیا ہے؟ یا قرآن حکیم کے دیگر مقامات سے اس معنی کی تائید ہوتی ہے؟ یا ائمہ لغت میں سے کسی نے ضال کا معنی محب لکھا ہے؟

یہ سب وہ سوالات ہیں جو کسی کے بھی ذہن میں پیدا ہو سکتے ہیں، لہٰذا ان کا جواب بھی دینا ضروری ہے۔ رہا پہلا سوال تو اس کا جواب یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت سے پہلے بھی ''ضال'' کی تفسیر محب کے

لفظ سے کی گئی ہے۔ "شفا" اوراس کی شرح "نسیم الریاض" میں ہے:

"(وقال ابن عطاء) فی تفسیر الآیة (ووجدك ضالا أی محبا لمعرفتی) فهداك بأنوار هدایته وعنایته ولما كان هذا خلاف المشهور فی اللغة بینه بقوله (والضال) ورد بمعنی (المحب كما قال الله تعالیٰ (انك لفی ضلالك القدیم) أی محبتك القدیمة) وهذا منقول عن قتادہ و سفیان (و مثله) أی مثل كون الضلال بمعنی المحبة فی هذه الآیة (انا لنراها فی ضلال مبین أی محبة بینة) (ج ٤، ص٤٨، ٤٩)

ابن عطا نے آیت کی تفسیر میں فرمایا اور تمہیں اپنی معرفت کا محب پایا تو تمہیں اپنی ہدایت وعنایت کے انوار سے راہ دی اور جب کہ یہ معنی لغت کے معنی مشہور کے خلاف ہیں تو اسے اپنے اس قول سے بیان کیا اور "ضال" "محب" کے معنی میں آیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بہ طور حکایت فرمایا بے شک آپ اپنی اسی پرانی خودرفتگی میں ہیں، یعنی اپنی پرانی محبت میں، اور یہ تفسیر قتادہ اور سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے اوراس کی مثال کہ اس آیت میں ضلال محبت کے معنی میں ہے، یہ ارشاد ہے، ہم تو اسے صریح خودرفتگی، یعنی کھلی ہوئی محبت میں پاتے ہیں۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے بہت پہلے یعنی دورِ تابعین میں حضرت ابنِ عطا، حضرت قتادہ اور حضرت سفیان رضی اللہ عنہم نے اس مقام میں "ضلال" کا معنی "محبت" متعین کیا ہے اوراسی سے دوسرے سوال کا جواب بھی ظاہر ہے۔ اور تیسرے سوال کے تعلق سے عرض یہ ہے کہ ائمہ لغت میں امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ "انك لفی ضلالك القدیم" کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"إشارة إلی شغفه بیوسف إلیه و كذالك قد شغفها حبا انا لنراها فی ضلال مبین۔" (مفردات امام راغب، ص: ۳۰۰)

یوسف علیہ السلام سے یعقوب علیہ السلام کی وارفتگی کی طرف اشارہ ہے، اسی طرح اس آیت میں جس کا معنی ہے بیشک ان کی محبت اس کے دل میں پیر گئی ہے تو ہم اسے صریح خودرفتہ پاتے ہیں۔

امام راغب کی شان یہ ہے کہ اربابِ لغت جس قدر مفرد لفظ کے معانی بیان کرتے ہیں ان کے استیعاب کے ساتھ سیاق وسباق کی روشنی میں ان معانی کی تعداد میں اضافہ فرماتے ہیں اور وہ معانی بیان کرتے ہیں جو اہلِ لغت کے ہاں نہیں ملتے اور آپ کی کتاب "المفردات" اس بارے میں کتب معتمدہ سے ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وطریق التوصل إلی فهمه النظر إلی مفردات الالفاظ من لغة العرب و مدلولاتها واستعمالها بحسب السباق وهذا یعتنی به الراغب كثیرا فی كتاب المفردات فیذكر قیدا زائد علی أهل اللغة فی تفسیر مدلول اللفظ لأنه اقتضاه السیاق۔"

(الاتقان: ۲/۱۸۳)

اوراس کی سمجھ تک پہنچنے کا طریقہ یہ ہے کہ لغتِ عرب سے مفرد الفاظ اور ان کے مدلولات اور سیاق کلام کے اعتبار سے ان کے استعمال میں غور کیا جائے۔ امام راغب "کتاب المفردات" میں اس پر بڑی توجہ دیتے ہیں، کیونکہ وہ مدلول لفظ کی تفسیر میں اہلِ لغت سے بڑھ کر قید زائد کو ذکر کرتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ سیاق کلام اس کا مقتضیٰ ہوتا ہے۔

[نوٹ: اختصار کے پیشِ نظر عصمتِ انبیاء کے تحفظ کے حوالے سے صرف ایک آیتِ کریمہ کا ترجمہ پیش کیا گیا۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے قرآن کریم کی متعدد و دیگر آیاتِ کریمہ کے ترجموں میں عشقِ رسول ﷺ کی جلوہ ریزی دکھائی ہے اور عصمتِ انبیاء علیہم السلام کے تحفظ کی ذمہ داری ادا کی ہے۔ بالخصوص سورۂ فتح کی آیت نمبر ۲ کا جو

ایمان افروز ترجمہ فرمایا ہے، اس کی خوبیوں کو سمجھنے کے لیے علامہ مفتی سید شاہ حسین گردیزی مدظلہ العالی (کراچی) کی سات سو صفحات پر مشتمل کتاب ''الذنب فی القرآن'' (لیغفرلك الله ما تقدم من ذنبك وما تاخر) کی تفسیر میں ایک علمی و تحقیقی بحث ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔]

علم غیب اور کنزالایمان:

قرآن حکیم میں جہاں اس مضمون کی آیتیں ہیں، جن سے بہ عطائے الٰہی نبی اکرم ﷺ کے لیے علمِ غیب کا اثبات ہوتا ہے جیسے:
''فلا یظهر علی غیبه احدا ۝ إلا من ارتضی من رسول'' (سورہ جن ۷۲، آیت: ۲۶، ۲۷) اور ''وما کان الله لیطلعکم علی الغیب ولکن الله یجتبی من رسله من یشاء'' (سورہ آلِ عمران ۳، آیت ۱۷۹) اور ''وما هو علی الغیب بضنین'' (سورہ تکویر ۸۱، آیت: ۲۴) اور ''وعلمك مالم تکن تعلم'' (النساء ۴، آیت: ۱۱۳) وغیرہ۔ وہیں ایسی بھی آیتیں ہیں، جن سے بہ ظاہر علمِ غیب کی نفی ہوتی ہے۔ جیسے: ''لا أعلم الغیب'' (الانعام ۶، آیات: ۵۰) وغیرہ۔ ان آیتوں میں بہ ظاہر تعارض بھی معلوم ہوتا ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے ان آیتوں کا ایسا ترجمہ کیا ہے جس سے تعارض بھی ختم ہوجاتا ہے اور نبی اکرم ﷺ کی غیب دانی پر کوئی حرف بھی نہیں آتا۔ ذیل میں اس کی ایک مثال ذکر کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''قل لا أقول لکم عندی خزائن الله ولا أعلم الغیب ولا أقول لکم انی ملك ان اتبع إلا مایوحی إلی۔'' (الانعام: ۵۰)

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے اس آیت کا ترجمہ ان الفاظ میں فرمایا:

''تم فرمادو میں تم سے نہیں کہتا میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہوں کہ میں آپ غیب جان لیتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو اسی کا تابع ہوں جو مجھے وحی آتی ہے۔''

(کنزالایمان)

اس ترجمہ میں مسئلہ علمِ غیب کو واضح فرمادیا گیا کہ جن آیتوں میں نبی اکرم ﷺ سے علمِ غیب کی نفی ہے وہاں علمِ ذاتی مراد ہے، علمِ غیب عطائی کی نفی نہیں ہے، کیونکہ آیاتِ قرآنیہ کے علاوہ اس بارے میں اتنی کثرت سے حدیثیں وارد ہیں جو معنی کے اعتبار سے تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں جن سے قطعی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ بہ عطائے الٰہی نبی اکرم ﷺ کو جمیع ماکان و مایکون کا علم حاصل تھا۔ محدث مکی حضرت ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری ''شرح شفا'' میں فرماتے ہیں:

''(ومن ذالك ما اطلع علیه من الغیوب) أی الأمور المغیبة فی الحال (وما یکون) أی سیکون فی الإستقبال (والأحادیث فی هذا الباب بحر لایدرك قعره ولا ینزف غمره وهذه المعجزة من جملة معجزاته المعلومة علی القطع الواصل إلینا خبرها علی التواتر لکثرة رواتها واتفاق معانیها الدالة علی الإطلاع علی الغیب)۔''

(مختصرا علی هامش نسیم الریاض، ۳/ ۱۵۰)

اور نبی اکرم ﷺ کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ غیوب یعنی وہ امور جو فی الحال ہماری نگاہوں سے اوجھل ہیں اور وہ جو مستقبل قریب میں ہوں گے، سب پر مطلع ہیں اور اس باب میں احادیث وہ سمندر ہیں جس کی گہرائی کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا اور نہ ہی اس کی حدوں کا احاطہ کیا جاسکتا ہے اور یہ معجزہ نبی اکرم ﷺ کے ان معجزات میں سے ہے جو ہمیں قطعی طور پر معلوم ہیں، جن کی خبر بہ طریق تواتر ہم تک پہنچی، کیوں کہ ان کے راوی کثیر ہیں اور ان کے وہ معانی جو نبی اکرم ﷺ کی غیب دانی پر دلالت کرتے ہیں وہ باہم متفق ہیں۔

رہیں وہ آیتیں جن سے علمِ غیب کی نفی ہوتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان آیتوں میں علمِ غیب ذاتی کی نفی ہے، عطائی کی نفی نہیں۔

علامہ شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''وهذا لاينا في الآيات الدالة على أنه لايعلم الغيب إلا الله وقوله ولو كنت أعلم الغيب لاستكثرت من الخير فإن المنفي علمه من غير واسطة وأما اطلاعه عليه باعلام الله له فأمر متحقق بقوله تعالىٰ فلايظهر على غيبه احد إلا من ارتضى من رسول۔'' (نسیم الریاض، ج:۳، ص:۵۰)

اور یہ ان آیتوں کے منافی نہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ غیب اللہ ہی جانتا ہے اور اسی طرح اس ارشاد کے بھی منافی نہیں کہ اگر میں غیب جانتا تو میں بہت بھلائی جمع کر لیتا کیوں کہ یہاں اس علم کی نفی ہے جو بلاواسطہ حاصل ہو، رہا اللہ تعالیٰ کے بتانے سے نبی اکرم ﷺ کا غیب پر مطلع ہونا تو یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قدس سرہ نے اس تطبیق کی رعایت کرتے ہوئے ترجمہ فرمایا کہ آیتوں کا ظاہری تعارض بھی دور ہو جائے اور عقیدۂ علمِ غیب پر بھی کوئی آنچ نہ آئے۔

کنزالایمان پر تنقید کا علمی جائزہ:

دیوبندی مکتبِ فکر کے بعض نام نہاد مولویوں نے کنزالایمان پر بے جا اعتراض کر کے اسے اپنے طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا ہے اور اپنی دسیسہ کاریوں کی بنیاد پر بھولے بھالے عوام کو فریب دے کر اپنے دامِ تزویر میں لینے کی ناپاک کوشش کی اور اس میں غلطیاں نکالنے کے لیے پوری دیوبندی برادری دل و جان سے لگ گئی [نوٹ: قابلِ افسوس مقام ہے کہ پاکستان میں اہلِ سنت کے کچھ نام نہاد علماء نے بھی ''محقق عصر'' اور ''محدثِ اعظم'' و ''مفسرِ اعظم'' کی شہرت حاصل کرنے کی لالچ میں یہ پیشہ اختیار کر لیا ہے] اور کنزالایمان پر حملہ کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی اور اس سلسلہ میں ان کے جھوٹ کے کئی پلندے منظرِ عام پر آئے۔ ان کی تمام فریب کاریوں کا پردہ اگر چاک کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے مگر تنگیٔ وقت اور خوفِ طوالت دامن گیر ہے جس کی وجہ سے ان کی صرف ایک فریب کاری بے نقاب کر کے حقیقت واشگاف کی جا رہی ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے: ''الذين يؤمنون بالغيب۔''

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے اس کا ترجمہ کیا: ''جو بے دیکھے ایمان لائیں۔''

اس ترجمہ پر اعتراض کرتے ہوئے ایک دیوبندی مولوی ان الفاظ میں ہذیان بکتے ہیں:

''الفاظِ قرآنی کو دیکھتے ہوئے یہ ترجمہ غلط ہے کیونکہ ترجمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ بے دیکھے فاعل کی صفت ہے حالانکہ بے دیکھے فاعل کی صفت نہیں ہے، بلکہ یہ تو مومن بہ ہے یعنی بے دیکھی ہوئی چیز پر ایمان لانا ضروری ہے، لیکن مولوی احمد رضا خاں نے بے دیکھے فاعل کی صفت بنا ڈالی جب کہ یہ ان چیزوں کی صفت تھی جن پر ایمان لانا ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ مولوی احمد رضا خاں کے علاوہ تمام اردو مترجمین نے اس کی رعایت کی ہے۔''

یہاں ہمیں اس سے بحث نہیں ہے کہ دیگر مترجمین نے اس آیت کا کیا ترجمہ کیا ہے، البتہ آں جناب نے جو یہ گل کھلا دیا ہے کہ یہ ترجمہ غلط ہے، یہ ضرور تحقیق طلب ہے اس کے بعد ہی اس کا صحیح علم ہوگا کہ تنقید نگار نے کس قدر فریب کاری کی ہے اور ان کی فہم ناقص کا نقص بھی کتنا حیرت انگیز ہے کہ اس ترجمہ سے نامعلوم کیسے سمجھ لیا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اسے فاعل کی صفت بنائی ہے۔ حالاں کہ

کھلی ہوئی بات ہے کہ ''بے دیکھے'' فاعل کی صفت نہیں بنائی گئی ہے بلکہ اسے ''یؤمنون'' کی ضمیر سے حال بنا کر یہ ترجمہ کیا گیا ہے اور یہاں ''بالغیب'' میں جس طرح یہ احتمال ہے کہ ایمان کا صلہ ہوکر مفعول بہ کی جگہ میں واقع ہو، اسی طرح سے یہ بھی احتمال ہے کہ یہ ''یؤمنون'' کی ضمیر سے حال ہو اور اسی اعتبار سے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے ترجمہ کیا ''جو بے دیکھے ایمان لائیں''۔ اور یہ معنی تفسیر کی تقریباً سبھی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے۔ چناں چہ تفسیر روح البیان میں ہے:

وإن جعلت الغيب مصدرا علىٰ حاله كالغيبة فالباء متعلقة بمحذوف وقع حالا من الفاعل أى يؤمنون متلبسين بالغيبة إما عن المؤمن به أى غائبين عن النبى ﷺ غير مشاهدين لمافيه من شواهد النبوة ويدل عليه أنه قال حارث بن نغير لعبد الله بن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه نحن نحتسب لكم يا أصحاب محمد ماسبقتمونا به من رؤية محمد ﷺ و صحبته فقال عبد الله و نحن نحتسب لكم ايمانكم به ولم تروه وإن أفضل الإيمان ايمان بالغيب وإما عن الناس أى غائبين عن المؤمنين لا كالمنافقين الذين (وإذا لقوا الذين آمنوا قالوا آمنا وإذا خلوا إلى شياطينهم قالوا إنا معكم) (ج:۲/ص:۳۲)

اور غیب کو غیبت کی طرح علی حالہ مصدر بناؤ تو ''باء'' ایک محذوف سے متعلق ہوگی جو فاعل سے حال واقع ہوگا۔ یعنی وہ صفت غیبت کے ساتھ متصف ہوکر ایمان لاتے ہیں خواہ وہ مومن بہ یعنی نبی اکرم ﷺ سے غائب ہوں۔ حضور ﷺ کے شواہد نبوت کو بغیر دیکھے ہوئے ایمان لائیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حارث بن نغیر نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا، اے صحابہ کرام کی جماعت ہم آپ کے لیے اس چیز کو باعثِ ثواب سمجھتے ہیں، جس میں آپ لوگ ہم پر سبقت لے گئے۔ یعنی نبی اکرم ﷺ کا دیدار کیا، شرفِ صحابیت سے ہم کنار ہوئے۔ تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم آپ لوگوں کے نبی اکرم ﷺ پر اس حال میں ایمان لانے کو باعثِ ثواب سمجھتے ہیں کہ ان کا دیدار نہیں کیا اور افضل ایمان، بے دیکھے ایمان لانا ہے۔ پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ''الذين يؤمنون بالغيب'' کی تلاوت فرمائی، یا وہ مسلمانوں سے غائب رہنے کی حالت میں ایمان لائیں نہ کہ ان منافقوں کی طرح کہ جب وہ ایمان والوں سے ملیں تو کہیں ہم ایمان لائے اور تنہائی میں جب شیاطین کے ساتھ ہوں تو کہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

یہ معنی تفسیر کی درج ذیل کتابوں میں بھی بیان کیا گیا ہے:

تفسیر ابی السعود ج:۲ ص:۳۱، تفسیر ابن جریر ج:۱ ص:۱۳۳، تفسیر بیضاوی ص:۱۸۔۱۹، تفسیر مظہری ج:۱ ص:۲۰، تفسیر کشاف ج:۱، تفسیر کبیر للرازی ج:۱ ص:۲۷، تفسیر قرطبی ج:۱ ص:۱۶۵، تفسیر خازن ج:۱ ص:۲۵، تفسیر مدارک مع الاکلیل ج:۱ ص:۴۰

بلکہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جن کی تحریر دیوبندیوں کے نزدیک حجت قطعیہ سے کم کی حیثیت نہیں رکھتی۔ انہوں نے تفسیر عزیزی میں یہ صراحت فرمائی ہے کہ قدمائے صحابہ مثلاً حضرت عمر فاروق، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم، نے اس آیت کو اسی معنی پر محمول کیا ہے، چنانچہ وہ رقم طراز ہیں:

وقدمائے صحابہ ایمان بالغیب را درین آیت بر معنی دیگر حمل فرمودہ اند۔۔۔ الخ یعنی قدمائے صحابہ نے اس آیت میں ایمان

بالغیب کو دوسرے معنی پر محمول کیا ہے۔" (تفسیر عزیزی، ج:۱، ص:۳۸۔۳۹)

پھر سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ کی وہ تفسیر بہ زبان فارسی بیان فرمائی جو اوپر روح البیان اور دیگر کتب تفسیر کے حوالے سے آچکی ہے اور حدیث کی مستند و معتمد کتابوں کی روشنی میں درج بالا صحابہ کرام سے وہی تفسیر ذکر کی۔ وہ عبارت چوں کہ بہت طویل اس لیے ہم نے صرف حوالے پر اکتفا کیا اور یہ وہ جلیل القدر صحابہ ہیں جن کی تفسیر مقدم اور راجح ہوتی ہے۔

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے جو ترجمہ کیا ہے وہ کبار صحابہ سے منقول ہے اور راجح بھی ہے اور اس سے دیوبندیوں کی فریب کاری بے نقاب ہو کر حقیقت واشگاف ہوئی۔ اس طرح بدمذہبوں کی اور (اپنے بعض نام نہاد پاکستانی مفسرینِ قرآن کی) بھی فریب کاریاں ہیں جن پر اگر تفصیل سے گفتگو کی جائے تو ایک لمبی کتاب تیار ہو جائے گی۔ ہم نے یہاں بہ طورِ تنبیہ صرف ایک مثال پیش کی ہے۔

الغرض اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری برکاتی قدس سرہٗ نے کنزالایمان میں جو ترجمہ کیا ہے وہ دیگر تراجم میں راجح اور مقدم ہے۔ ادبی محاسن، کتبِ تفسیر سے مطابقت، عقائدِ حقہ کی حفاظت و صیانت، اللہ تعالیٰ کی تقدیس و تنزیہ نبی اکرم ﷺ کی تعظیم و احترام، دشمنانِ اسلام کا رد، جس قدر کنزالایمان میں ہے، دیگر ترجموں میں مفقود ہے۔ ساتھ ہی سلاست و روانی، فصاحت و بلاغت، و ترکیب کی رعایت کا معیار جتنا بلند ہے وہ اہلِ لسان پر مخفی نہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے علمی فیضان سے ایک وافر حصہ ہمیں عطا فرمائے۔ آمین۔

علامہ مولانا عبد الهادی صاحب مدظلہ کے اعزاز میں عشائیہ

ساؤتھ افریقہ (ڈربن) سے حضرت علامہ مولانا محبِّ اعلیٰ حضرت عبد الہادی صاحب مدظلہ ماہِ جون کی ابتداء میں کراچی تشریف لائے۔ آپ کے اعزاز میں جناب حاجی رفیق پردیسی صاحب نے اپنی رہائش گاہ پر مؤرخہ ۸ر جون بروز جمعۃ المبارک عشائیہ کا اہتمام کیا جس میں علمائے اہلِ سنت کی بڑی تعداد نے بھی شرکت کی۔ عشائیہ تناول کرنے سے قبل ایک مختصر محفل ذکرِ اعلیٰ حضرت کے حوالے سے منعقد کی گئی جس کا آغاز تلاوت کلامِ مجید سے ہوا۔ نعتِ رسولِ مقبول ﷺ کے بعد مولانا عبدالہادی صاحب نے اپنے خیالات کا اظہار انگریزی اور اردو زبان میں فرمایا۔ جبکہ اسٹیج سیکریٹری کے فرائض ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل کے جنرل سیکریٹری پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری نے ادا کیے۔

مولانا عبد الہادی، خلیفۂ مفتی اعظم علیہ الرحمۃ نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی علمی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے علماء کرام کو "فکرِ رضا" اپنانے کی دعوت دی اور بالخصوص تزکیہ و احسان سے خود کو متصف کرنے کی نصیحت فرمائی۔ مولانا عبد الہادی صاحب نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی کئی کتابوں کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا ہے جن میں الملفوظ کا ترجمہ بزبانِ انگریزی قابلِ ذکر ہے۔

حضرت کے خطاب کے بعد سوالات کا موقع دیا گیا۔ آخر میں صلاۃ و سلام پیش کیا گیا اور سرورِ کونین خاتم النبیین محبوب رب العالمین ﷺ کے نقشِ کفِ پا اور نعلینِ مبارک کے حصہ کی زیارت کروائی گئی۔ اس کے بعد ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل کے صدر جناب صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری نے دعا کروائی اور پھر عشائیہ تناول کیا گیا۔

مجلس شرعی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کا چودھواں فقہی سیمینار

منعقدہ ۱۹ تا ۲۱ صفر ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۰ تا ۱۲ مارچ ۲۰۰۷ء، شنبہ تا دوشنبہ

موضوعات، مذاکرات، فیصلے

مفتی محمد نظام الدین رضوی*

مجلسِ شرعی جامعہ اشرفیہ مبارکپور کا چودھواں فقہی سیمینار قلب جامعہ میں واقع ''امام احمد رضا لائبریری'' کے ایک کشادہ ہال میں منعقد ہوا۔ اس سیمینار میں پانچ موضوعات زیر بحث تھے۔

۱) بیت المال کے نام پر تحصیل زکوٰۃ
۲) مسلم کالج اور اسکول کے نام پر تحصیل زکوٰۃ
۳) کریڈٹ کارڈ کی شرعی حیثیت
۴) تحصیل صدقات پر کمیشن کا حکم
۵) طویل المیعاد قرض اور اس پر زکوٰۃ

پہلے چار موضوعات پر ۱۹/تا ۲۱/صفر المظفر ۱۴۲۸ھ تین روز تک مندوبین فقہائے اہلِ سنت کے درمیان باوقار انداز میں گہرائی و گیرائی کے ساتھ مذاکرات کا سلسلہ جاری رہا، خوب بحثیں ہوئیں، سب کی باتیں سب نے غور سے سنیں اور حق و صواب تک رسائی کے لیے استطاعت بھر جدوجہد کی۔ جب ایک موقف پر شرح صدر کے ساتھ سب کا اتفاق ہوا تو فیصلہ تحریر کیا گیا، پھر دوبارہ فیصلے کا متن سنا کر ایک بار مزید غور و فکر کا موقع دیا گیا۔ اگر کسی کو کسی لفظ، جملہ، تعبیر، تشریح پر کلام ہوتا تو اس میں ترمیم کی جاتی یا پھر صاحبِ کلام کو مطمئن کیا جاتا۔ مباحثے کے دوران آزادیٔ فکر و رائے کا عالم یہ تھا کہ صغیر، کبیر، استاذ، شاگرد، پیر، مرید سب ایک دوسرے کے موقف اور دلیل پر جرح و قدح کرتے رہتے تا آں کہ بحث کا دائرہ سمٹ کر کسی ایک نقطے پر مرکوز ہو جائے اور سب کو تشفی قلب حاصل ہو جائے۔ بحثوں کا یہ سلسلہ روزانہ صبح ۸ تا ۱ بجے دن پھر ساڑھے چھ تا ۱۱ بجے شب جاری رہتا۔ ہر نشست کا آغاز اہلِ سنت و جماعت کے معمول کے مطابق تلاوتِ قرآن حکیم پھر نعت رسول اکرم ﷺ سے ہوتا۔ اس کے بعد عنوان بحث پر لکھے گئے مقالات کا خلاصہ خود تلخیص نگار کی زبانی سنا جاتا، پھر مختلف فیہ امور پر بحث و تمحیص جاری ہو جاتی۔

یہ مذاکرات چھ نشستوں میں علی الترتیب چھ علمائے کرام کی صدارت میں منعقد ہوئے۔

۱) عزیز ملت حضرت مولانا عبد الحفیظ قبلہ دامت برکاتہم العالیہ
(سرپرست مجلس شرعی و سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ)
۲) بحر العلوم حضرت مولانا مفتی عبد المنان قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ
(شیخ الحدیث شمس العلوم گھوسی، مئو)
۳) عمدۃ المحققین حضرت مولانا محمد احمد مصباحی صاحب قبلہ دام ظلہ العالی
(صدر مجلس شرعی و صدر المدرسین، جامعہ اشرفیہ، مبارکپور)
۴) فاضل جلیل حضرت مولانا عبد الشکور صاحب قبلہ دام ظلہ العالی
(شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ، مبارکپور)
۵) فقیہ عصر حضرت مولانا مفتی مطیع الرحمٰن صاحب دام مجدہم
(قاضی ادارۂ شرعیہ، بنگلور، کرناٹک)
۶) شیخ القرآن حضرت مولانا عبد اللہ خاں عزیزی دام مدظلہ العالی
(جامعہ اسلامیہ، روناہی، ضلع فیض آباد)

نظامت ہر اجلاس کی ناظم مجلس (راقم الحروف) نے کی۔

---

* ناظم مجلس شرعی و صدر شعبۂ افتا، جامعہ اشرفیہ مبارکپور

پہلی نشست میں آغاز بحث سے پہلے حضرت عزیز ملت دام ظلہ العالی نے خطبۂ استقبالیہ اور صدر مجلس شرعی حضرت مولانا محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی نے خطبۂ صدارت پیش فرمایا جبکہ حضرت بحر العلوم دام ظلہ العالی نے اپنے ناصحانہ اور دعائیہ کلمات سے نوازا۔

حضرت مولانا مفتی مطیع الرحمٰن صاحب دام مجدہم اور شیخ القرآن حضرت مولانا عبداللہ خاں عزیزی دام ظلہ العالی نے بھی اپنی اپنی صدارت میں خطبات پیش کیے۔ اول الذکر نے بہت مختصر اور مؤخر الذکر نے مطول، فکر انگیز اور دلچسپ۔

آخری موضوع ''طویل المیعاد قرض'' کے مقالات کی صرف تلخیص سنی جا سکی کیوں کہ وقت میں گنجائش نہ تھی۔ اس پر بحث ان شاء اللہ العلیم الخبیر پندرہویں سیمینار میں ہوگی۔۔۔ اب ہم وہ اہم فقہی فیصلے نذر قارئین کرتے ہیں جو علمائے کرام کی سہ روزہ جانفشانیوں کا ثمرہ ہیں۔

فیصلے کا متن

چودھواں فقہی سیمینار

مجلس شرعی، جامعہ اشرفیہ، مبارکپور

منعقدہ ۱۹ تا ۲۱ صفر ۱۴۲۸ھ

مطابق ۱۰ تا ۱۲ مارچ ۲۰۰۷ء، شنبہ تا دوشنبہ

بیت المال کے نام پر تحصیل ذکوٰۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم حامداً و مصلیاً و مسلماً

پہلی نشست: ۱۹ر صفر ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۰ر مارچ ۲۰۰۷ء، سنیچر ۸ر بجے صبح

آغاز بحث: اصطلاحی بیت المال کے مصداق شرعی کی تعیین:

سلطانِ اسلام کے ذریعہ قائم شدہ وہ خزانہ جس میں اموال خمس و فی و زکوٰۃ وضوائع جمع کیے جائیں اور سلطان یا اس کے ماذون کے ذریعہ مقررہ مصارف میں صرف کیے جائیں۔

سوال (۱): بیت المال قائم کرنے کا حق کسے ہے؟

جواب: اصلاً یہ حق سلطانِ اسلام کا ہے۔ سلطان سے متعلق جو امور عدم سلطنت اسلام کی حالت میں علماء سے متعلق ہیں وہ ایسے امور ہیں جن میں اقتدار اور قوت تنفیذ کی حاجت نہیں۔ جو امور محتاج شوکت و اقتدار ہیں ان میں علماء سلطان اسلام کے قائم مقام ہونے سے قاصر ہیں جیسے اقامت حدود و قصاص۔

الحاوی، رسالہ کشف الضبابۃ میں ہے:

ولاية النظر في بيت المال ولاية شرعية وهي من وظائف الإمام، وتفويضه إياها لغيره استنابة اهـ (الحاوى للإمام جلال الدين السيوطى رحمه الله ج:١، ص:١٦٠)

عنایہ شرح ہدایہ (ج:۲، ص:۱۱۹) اور شرح نقایہ للملا علی القاری (ج:۱، ص:۱۴۶) میں ہے:

حق الأخذ كان للإمام في الأموال الظاهرة والباطنة، لظاهر قوله تعالى: خُذْ من اموالهم صدقة تطهرهم" وعلى هذا كان رسول الله ﷺ والخليفتان بعده، فلما وُلّي عثمان و ظهر تغير الناس كره أن يفتش العمال مستور أموال الناس ففوض الأموال الباطنة إلى أربابها نيابة عنه خوفا عليهم من السُعاة السوء، ولم يختلف عليه الصحابة، وهذا لا يسقط طلب الإمام أصلا، ومن ثم لو علم أن أهل بلدة لا يؤدونها طالبهم بها۔ اهـ

اب یہ سوال سامنے آتا ہے کہ اقامتِ بیت المال یا تحصیل زکوٰۃ اموال کس طرح کے امور سے ہے؟

اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ تحصیل زکوٰۃ اموال ظاہرہ کا حق سلطان کو اس شرط پر حاصل ہوتا ہے کہ وہ ظالموں، ڈاکوؤں، باغیوں وغیرہ سے ان اموال کی حفاظت کی کرتا ہو ورنہ اسے تحصیل زکوٰۃ کا حق نہیں۔

بدائع الصنائع، ج:۲، ص:۱۳۷ پر ''وأما شروط ولاية

الأخذ فأنواع'' کے تحت ہے:

منها: وجوب الحماية من الإمام حتى لو ظهر أهل البغي على مدينة من مدائن أهل العدل أو قرية من قُراهم وغلبوا عليها فأخذو صدقات سوائمهم وعشور أرضيهم وخراجها ثم ظهر عليهم إمام العدل لا يأخذ منهم ثانيا، لأن حق الأخذ للإمام لأجل الحفظ والحماية، ولم يوجد إلا أنهم يفتون فيما بينهم و بين ربهم أن يؤدوا الذكوٰة والعشور ثانيا۔ وسكت محمد عن الخراج۔

اوراسی میں ص:۵۲ پر ''وأما بيان من له المطالبة بأداء الواجب في السوائم'' کے تحت ہے:

وكذا المال الباطن إذا مر به التاجر على العاشر كان له أن يأخذ في الحملة، لأنه لما سافر به وأخرجه من العمران صار ظاهرا والتحق بالسوائم، وهذا لأن الإمام إنما كان له المطالبة بذكوٰة المواشي في أماكنها لمكان الحماية؛ لأن المواشي في البراری لا تصير محفوظة إلا بحفظ السلطان وحمايته، وهذا المعنى موجود في مال يمر به التاجر على العاشر، فكان كالسوائم وعليه إجماع الصحابة رضي الله عنهم۔

نیزاسی میں ص:۵۳ پر ہے:

إن على الإمام مطالبة أرباب الأموال العين و أموال التجارة بأداء الزكوٰة إليهم سوى المواشي والأنعام وأن مطالبة ذلك إلى الأئمة إلا أن يأتي أحدهم إلى الإمام بشيء من ذلك فيقبله ولا يتعدى عما جرت به العادة والسنة إلى غيره۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ خود سلطانِ اسلام کو ولایتِ تحصیل کا حصول اس شرط سے مشروط ہے کہ حفاظتِ اموال کی ذمہ داری وہ پوری کرتا ہو ورنہ نہیں۔ اور علماء کے پاس تو ظالموں، ڈاکوؤں وغیرہ سے حفاظتِ اموال کی قدرت ہی نہیں، نہ وہ حفاظت کے ذمہ دار، پھر وہ ولایتِ تحصیل میں سلطان کے قائم مقام کیسے ہوں گے۔

سلطانِ اسلام کو بیت المال قائم کر کے خمس، فَی، ضوائع اور زکوٰۃ کے اموال جمع کرنے کا جو حق ملتا ہے، وہ حفظ وحمایت کی قدرت کے ساتھ ہوتا ہے۔ علماء میں آج وہ قدرت مفقود ہے۔ اس لیے اقامتِ بیت المال میں ان کے اندر نیابتِ سلطان بھی مفقود ہے تو انہیں حق اقامت بیت المال حاصل نہیں۔

دوسری نشست: ۱۹/صفر ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۰/مارچ ۲۰۰۷ء بعد مغرب ساڑھے چھ بجے تا ۱۱/بجے

سوال (۲): بیت المال قائم کیا جائے یا نہیں؟

جواب: آج کے دور میں زکوٰۃ وصدقات واجبہ کا بیت المال قائم کرنے کی اجازت نہیں کیونکہ بیت المال کے اموال کی حیثیت اموالِ یتیم کی ہوتی ہے اور اس کی حفاظت کے لیے جس امانت، قدرت اور دباؤ کی ضرورت ہے، وہ آج کم یاب ہے کیوں کہ خیانت، غصب، بدعہدی، ناخدا ترسی عام ہو چکی ہے اور حاکمِ شرعی کی قوتِ نافذہ نیز حقداروں کے مطالبہ، مواخذہ، احتجاج کا دباؤ بھی عموماً نہیں پایا جاتا جس کے پیشِ نظر یہ وثوق حاصل ہو کہ یہ اموال خُرد بُرد اور بیجا مصارف میں صرف ہونے سے محفوظ رہیں گے۔

فقہائے متاخرین کے دور میں جب بیت المال کے یہ اموال بے جا مصارف میں عام طور سے صرف ہونے لگے اور اس کی اصلاح دشوار ہو گئی تو فقہائے کرام نے یہ فرمان صادر کر دیا کہ بیت المال کا حال خراب ہو چکا ہے، لہٰذا اب میراث کا فاضل لاورث مال بیت المال میں نہ جمع کر کے شوہر، بیوی کو دے دیا جائے۔ وہ نہ ہوں تو مُعتِق کی بنات کو، وہ بھی نہ ہوں تو مُعتِق کے ذوی الارحام کو، وہ بھی نہ ہوں تو میت کی اولا درضاعی کو دیا جائے۔

في حاشية المولىٰ عجم زاده عن الخانية ذكر الإمام عبد

الواحد الشهيد فی فرائضه أن الفاضل عن سهام الزوج والزوجة لا يوضع فی بيت المال، بل يدفع إليهما لأنهما أقرب الناس إلى الميت من جهة السبب فكان الدفع إليهما أولى من غيرهما انتهى۔ وقوله "لا يوضع فی بيت المال" كقول الذخيرة السابق يدل على أن الدفع إليهما متعين لا أن الدفع مخير بين الدفع إليهما و إلى بيت المال كما توهمه اخر العبارة۔ (فتاوی رضویه، ص:۲۵۱، ج:۱۰)

حالاں کہ مذکورہ افراد اصل مذہب کے لحاظ سے ترکے کے وارث نہیں اور نہ ہی بیت المال کے مال کے حقدار، پھر بھی فقہا نے ان کی قرابت کے پیش نظر فاضل لاوارث کے ترکے کا انہیں حق دار قرار دے دیا کہ بے جا مصارف میں صرف ہونے کی بہ نسبت قرابت دار صحیح مصرف ہوں گے۔ آج بھی یہ حکم باقی ہے اور اعلیٰ حضرت وصدر الشریعہ علیہما الرحمہ کا یہی فتویٰ ہے۔

کئی سو سال پہلے جب بیجا مصارف میں صرف ہونے اور اس کی اصلاح پر قابو نہ پانے کی وجہ سے بیت المال میں جمع کرنے کی اجازت نہ رہی تو آج کیسے اجازت ہوسکتی ہے جب کہ بحیثیت مجموعی دیانت وامانت کا حال پہلے سے بدتر ہو چکا ہے۔

آج جو بیت المال قائم ہیں ان کے اموال دو طرح سے صرف ہوتے ہیں:

ایک یہ کہ عموماً بغیر حیلۂ شرعی کرائے کچھ رقم بینک میں جمع کر دی جاتی ہے اور کچھ رقم بیماروں کے علاج اور مقروضوں کی طرف سے ادائے قرض وغیرہ میں صرف ہوتی ہے۔

علاج میں صَرف کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اسپتال میں زکوٰۃ فنڈ میں مالِ زکوٰۃ جمع کر دیا جاتا ہے اور فقرا کے آپریشن، دوا اور جانچ کے مصارف میں بغیر ان کی تملیک کے اپنے طور پر بحق اسپتال یا بحق ڈاکٹر یا پیتھالوجی وضع کر لیتے ہیں یا علاج کے مصارف ڈاکٹر اور میڈیکل اسٹور وغیرہ کو بلا تملیک فقیر دے دیتے ہیں۔

مقروضوں کا قرض یوں ادا کرتے ہیں کہ انہیں مالک بنائے بغیر قرض خواہوں کو دے دیتے ہیں اور بیت المال کے مصارف بھی اسی سے پورے کیے جاتے ہیں۔ یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ زکوٰۃ کا بیجا مصرف میں استعمال ہے اور غبن وخیانت کے واقعات اس کے سوا ہیں اور جو رقم بلا تملیکِ فقیر بینک میں جمع ہوئی وہ تو ہلاک ہوگئی اور اتنے اموال کی زکوٰۃ اربابِ اموال کے ذمہ اور ان کا تاوان منتظمین بیت المال کے ذمہ رہا۔ یہ بھی یقیناً مصرف بیجا میں استعمال ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ کا حیلہ شرعیہ کرا کے مصارف کی صحیح تحقیق کیے بغیر انہیں استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی سے بیت المال کے مصارف بھی پورے کیے جاتے ہیں اور غبن و خیانت کے واقعات یہاں بھی اس کے سوا ہیں۔ جب زکوٰۃ کے مصارف متعین ہیں تو ان کے سوا میں صرف کرنا بے حاجت شرعیہ حیلہ کرانا جائز نہیں۔

مدارس کے لیے یہ رقوم جمع کرنے اور حیلۂ شرعیہ کر کے استعمال کرنے کی اجازت بوجہ ضرورت شرعیہ ہے۔ ساتھ ہی ان رقوم کے حقدار طلبہ اور مدرسین و ملازمین کی طرف سے ہر آن مطالبہ، مواخذہ اور احتجاج کا دباؤ بھی۔ اس لیے یہاں اجازت ہے اور بیت المال میں ضرورت اور دباؤ دونوں تقریباً مفقود ہیں اور دیگر مفاسد بھی ہیں اس لیے نہ بیت المال قائم کرنے کی اجازت ہے نہ اس کے لیے زکوٰۃ وصدقات واجبہ کی رقوم لینے دینے کی اجازت۔ ہاں اگر عطیات کی رقوم سے رفاہی فنڈ قائم کیا جائے تو درج بالا مصارف میں ان کا استعمال مصارفِ بیجا میں استعمال نہ ہوگا۔ اس لیے اگر غبن و خیانت کے خطرات سے امن ہو تو عطیات کا رفاہی فنڈ قائم کرنے کی اجازت ہے۔

مسلم کالج اور اسکول کے نام پر تحصیل زکوۃ

تیسری نشست: ۲۰ رصفر ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۱ رمارچ ۲۰۰۷ء، اتوار، صبح ۸ بجے

اس نشست کا موضوع بحث یہ تھا کہ مسلم کالج اور اسکول کے لیے زکوٰۃ وصدقۂ واجبہ وصول کرنا اور حیلۂ شرعی کے بعد کالج اور اسکول کے مصارف میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

مندوبین کی متفقہ رائے یہ ہے کہ جائز نہیں، کیوں کہ زکوٰۃ و صدقات واجبہ کے مصارف منصوص ہیں۔ ان ہی میں ان کا صَرف ہونا واجب ہے۔ دوسری جگہ صَرف کرنے کے لیے حیلۂ شرعی کا جواز دینی شرعی ضرورت کی بنا پر ہے۔ مدارسِ اسلامیہ جو خالص دینی تعلیم اور دین کی بقا کے لیے قائم ہیں وہ دین کی ضرورت کے تحت ہیں۔ ان کی بقا کے لیے حیلۂ شرعی کا جواز ہے مگر یہ حیثیت ان کالجوں اور اسکولوں کو حاصل نہیں جن میں کوئی ایک مضمون دینیات کا رکھ لیا جاتا ہے یا وہ بھی نہیں ہوتا اور ان کا اصل مقصود دنیاوی تعلیم کا فروغ ہوتا ہے۔ اس لیے ان کے لیے زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ کی رقوم کی تحصیل اور ان کے لیے حیلہ کرنا بھی جائز نہیں۔ مفصل دلائل مقالات میں مرقوم ہیں۔

کریڈٹ کارڈ

چوتھی نشست: ۲۰ رصفر ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۱ رمارچ ۲۰۰۷ء، اتوار، بعد مغرب، ساڑھے چھ بجے

اس نشست میں کریڈٹ کارڈ لینے اور اس کے ذریعہ معاملہ کرنے پر بحث ہوئی اور درج ذیل امور پر باتفاق آراء طے ہوئے:

(۱) کریڈٹ کارڈ کے ذریعہ قرض لینے کی صورت میں اصل رقم کی واپسی کے ساتھ اضافی رقم بنام سود دینا لازم ہے اس لیے کریڈٹ کارڈ کے ذریعہ قرض لینا ہرگز جائز نہیں۔ ہاں اجازت کی ایک صورت یہ ہے۔ وہ یہ کہ قرض لینے کے باعث کارڈ ہولڈر کے لیے انکم ٹیکس دینے سے بچت ہو اور یہ بچت سود میں دی جانے والی رقم سے زیادہ ہو۔

(۲) کریڈٹ کارڈ کے ذریعہ سامان خریدنے میں قیمت کی ادائیگی بینک کردیتا ہے پھر وہ رقم کارڈ ہولڈر سے لیتا ہے اور واپسی رقم کے لیے ایک مدت مثلاً تیس دن ایسی رکھتا ہے جس کے اندر کارڈ ہولڈر رقم بینک کو دیدے تو اصل رقم پر اسے کوئی زیادتی نہیں دینی ہے اور اگر اس مدت سے زیادہ دنوں میں دے تو بھی پانچ فیصد (یا کچھ کم وبیش) فوراً اسے دینا ہے۔ بقیہ پچانوے فیصد کی ادائیگی پر اسے اضافی رقم اور جرمانہ دینا ہوگا۔

اگر کارڈ لینے والا یہ عزم رکھتا ہے کہ غیر سودی واپسی کی مدت مقررہ کے اندر وہ بینک کی رقم دیدے گا اور اسی کو عملی شکل بھی دیتا ہے تو اس پابندی کے ساتھ کارڈ لینا اور اس کے ذریعہ معاملہ کرنا درست اور جائز ہے اور اگر زیادہ دنوں میں زائد رقم کے ساتھ ادائیگی کرنا چاہتا ہے یا اسے عمل میں لاتا ہے تو یہ صورت ناجائز ہے۔

[اسی طرح اگر ادھار خریداری کی کوئی ایسی صورت قرار پاتی ہے جس میں بل کی ادائیگی بغیر سود کے نہ ہو تو یہ صورت بھی ناجائز ہے۔]

(۳) اس بارے میں یہ سوال زیر بحث آیا کہ کریڈٹ کارڈ لیتے وقت یہ معاہدہ ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ اگر کارڈ ہولڈر خریداری کرے اور مقررہ مدت (مثلاً تیس دن) کے اندر بینک کا دَین ادا کردے تو اسے کوئی زائد رقم نہ دینی ہوگی اور اگر ادائیگی اس مدت سے زیادہ ٹال دی تو اسے ایک مقررہ شرح کے حساب سے زائد رقم بھی دینی ہوگی۔ کارڈ لینے والا اس شرط کو قبول کرتا ہے جب کہ اس شرط کی ایک شق جائز و درست ہے اور دوسری شق درست نہیں بلکہ شرط فاسد ہے تو کارڈ لینے والا اسے قبول کرکے گنہگار ہوگا یا نہیں؟ جب کہ اس کا عزم یہ ہے کہ میرا عمل صرف پہلی شق (مقررہ مدت کے اندر اصل رقم ادا کردینے) پر ہوگا۔

بحث وتمحیص کے بعد اس حل پر اتفاق ہوا کہ چوں کہ اصل گناہ

زائد رقم دینا ہے اس کی وجہ سے اس کی شرط قبول کرنا بھی گناہ ہوتا ہے لیکن یہاں اس کے ساتھ ایک شرط ایسی بھی ہے جو زائد رقم دینے سے خالی ہے اور عاقد کا عزم اسی پر عمل کا بھی ہے اور فی الواقع اسی پر اس کا عمل بھی ہوتا ہے۔ ساتھ ہی اسے سقوطِ خطرِ طریق وغیرہ کا فائدہ بھی حاصل ہو رہا ہے اس لیے خلافِ عزم، محض یہ لفظی یا تحریری شرط گناہ نہیں۔

(۴) کسی مسلم کارڈ ہولڈر اور مسلم بینک کے درمیان مالی جرمانہ اور سود کے ساتھ مشروط معاملہ جائز نہیں اور جو مسلم بینک اس طرح کی شرط عائد کرتے اور اس پر عمل کرتے ہیں، انہیں ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ ایسی ناجائز شرطیں ختم کر کے صرف جائز بنیادوں پر اپنا لین دین کریں۔

تحصیل صدقات پر کمیشن

پانچویں نشست: ۲۱ ر صفر ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۲ ر مارچ ۲۰۰۷ء دوشنبہ صبح ۸ بجے

اس نشست میں ''تحصیل صدقات پر کمیشن'' کا مسئلہ زیر بحث آیا۔ سوال یہ تھا کہ مدارس کے ذمہ دار حضرات سفرا کو مختلف علاقوں میں چندے کے لیے بھیجتے ہیں، پھر انہیں اس کام پر بدلِ محنت بھی دیتے ہیں۔ یہ معاملہ کس عقد کے تحت آتا ہے؟

اس سوال کے جواب میں باتفاق آرا یہ قرار پایا کہ یہ معاملہ ''عقد اجارہ'' ہے اور ماہانہ تنخواہ پر چند کرنے والے سفرا ''اجیر خاص'' اور کمیشن پر چندہ کرنے والے ''اجیر مشترک'' ہیں۔

کمیشن پر چندہ کرنے کرانے پر یہ سوال سامنے آتا ہے کہ سفیر سے یہ معاملہ ہوتا ہے کہ آپ کے ذریعہ جو چندہ وصول ہوگا اس کا ۴/۱ یا ۲۵ فیصد مثلاً آپ کو بطور اجرت یا حقِ محنت دیا جائے گا اور اجیر جو عمل کرے اسی کے ایک جز کو اجرت بنایا جائے، یہ ناجائز ہے جس کی دلیل ''قفیز طحان'' کا معروف مسئلہ ہے۔ دوسرے یہ کہ سفیر کا عمل اور اس کا چندہ کتنا ہوگا، یہ مجہول ہے۔ اسی طرح اس کی اجرت بھی مجہول ہے۔ عمل اور اجرت کی جہالت کی وجہ سے بھی عقد اجارہ ناجائز ہوتا ہے۔ اس لیے کمیشن پر چندہ جائز نہ ہونا چاہیے۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ چندہ وصول ہو جانا سفیر کی قدرت میں نہیں بلکہ یہ چندہ دینے والوں کی قدرت میں ہے۔ اس لحاظ سے جس عمل پر سفیر سے معاملہ ہوتا ہے، وہ اس کا مقدور نہیں۔

ان امور پر غور وخوض اور بحث ومباحثہ کے بعد یہ طے ہوا کہ:
فی زمانہ سفیر کی اجرت اس تعیین کے ساتھ طے نہیں ہوتی کہ تم جو چندہ وصول کر کے لاؤ گے بعینہٖ اسی سے تمہیں ۲۵ فیصد اجرت دی جائے گی بلکہ عاقدین کا قصد یہ ہوتا ہے کہ کل چندہ کی مالیت کا ۴/۱ بطور اجرت دیا جائے گا۔ خاص وصول شدہ رقم سے لینے دینے کا معاملہ نہیں ہوتا۔

اس زمانے میں مدارس کو چندہ دینے والوں کی طرف سے عرفاً یہ اجازت بھی ہوتی ہے کہ سفراء وہ رقم مدارس تک بعینہٖ لے جائیں یا ڈرافٹ بنوا کر لے جائیں یا کوئی اور مناسب صورت اختیار کریں۔ اسی طرح نوٹوں کی تبدیلی مثلاً پچاس کے نوٹوں کو بدل کر سو سو کے یا ہزار پانچ سو کے بنانے کی بھی اجازت ہوتی ہے۔

ان امور کے پیش نظر اب مسئلہ ''قفیز طحان'' جیسی صورت پیدا نہیں ہوتی اور کُل چندہ کی مالیت کا مقررہ فیصد طے کرنے اور خاص وصول کردہ رقم سے ادائیگی معین نہ کرنے کی صورت میں وہ خرابی پیدا نہیں ہوتی جو ''قفیز طحان'' والے مسئلہ میں ہے۔

رہ گئی دوسری خرابی کہ کُل چندہ کتنا ہوگا اور اس کی اجرت کتنی بنے گی۔ یہ امر مجہول ہے تو یہ جہالت بعد عمل زائل ہو جاتی ہے اور مدارسِ دینیہ کو اس طرح کام لینے کی حاجت شرعیہ بھی متحقق ہے۔ ساتھ ہی اس پر عوام وخواص کا تعامل بھی ہو چکا ہے۔ اس لیے وقت عقد یہ جہالت مفسدِ عقد نہ رہی۔ اسی طرح چندہ مل جانا سفیر کا مقدور نہ ہونے

کے باوجود یہ معاملہ حاجت اور تعامل کی وجہ سے درست ہے۔

چھٹی نشست: ۲۱ ر صفر ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۲ ر مارچ ۲۰۰۷ء
دوشنبہ بعد مغرب ساڑھے چھ بجے شب

(۱) کمیشن کا معاملہ زیادہ تر اس بنا پر پیش آتا ہے کہ اصحابِ ثروت اپنی زکوٰۃ خود مناسب مدارس تک بھیجنے یا پہنچانے کی زحمت کم سے کم تر کرتے ہیں اور بعض مدارس ایسے بھی ہیں جن کی طرف مقامی حضرات کے سوا کوئی سر سے توجہ کرنے والا نہیں ہوتا اس لیے مدارس ضرورت محسوس کرتے ہیں کہ سفرا کو اہلِ خیر کے یہاں بھیجیں۔ لیکن عموماً حال یہ ہے کہ چندہ کرنے کے لیے لوگ آمادہ نہیں ہوتے اور کسی طرح کچھ لوگ آمادہ ہوگئے اور صرف ماہانہ تنخواہ کو ان کا بدلِ محنت رکھا گیا تو کہیں اتنی مقدار ان کے لیے ناکافی ہوگی اور کہیں ناکافی تو نہ ہوگی لیکن سفیر زیادہ تگ ودَو اور کوشش نہیں کرے گا بلکہ جتنا چندہ راحت و آسانی کے ساتھ مل جائے گا، اسی پر قناعت کرلے گا۔ یہ حالات مدارس کے لیے پریشانی کا باعث ہیں۔ کمیشن پر وصولی کا جو سلسلہ جاری ہوا اس کے حالات بھی مختلف ہیں۔ کوئی نئی جگہ ہے تو وہاں کم وصولی ہوگی۔ پرانی جگہ ہے اور ادارہ وہاں معروف ومشہور ہے تو آسانی ہوگی اور لوگ ادارہ کی خدمات سے متاثر اور کسی طرح اس سے متعلق ہیں تو وصولی زیادہ ہوگی، اور لینے والا ذی وجاہت ہو تو اور زیادہ وصولی ہوگی۔

اس لحاظ سے سفرا کی حیثیت، ادارہ سے مقاماتِ سفارت کی دوری ونزدیکی، وہاں ادارے کے تعارف ومقبولیت وغیرہ احوال پر نظر کرتے ہوئے ادارے اپنے سفرا کے لیے ماہانہ تنخواہ یا ڈبل تنخواہ یا فیصد مناسب سمجھتے ہوئے مقرر کریں مگر فقہانے عامل کے لیے اس کی وصول کردہ رقم کا زیادہ سے زیادہ نصف حصہ دینے کی تحدید فرمائی ہے جب کہ اس سے کم مقدار اس کی مدت عمل کے خورد ونوش وغیرہ کے لیے کفایت نہ کرے۔ اسے نظر میں رکھتے ہوئے سفرا کی اجرت بھی کسی طرح اس سے زیادہ نہیں ہوسکتی۔

دوسری طرف اس بات کی کوشش ہونی چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ اہلِ خیر کو اس پر آمادہ کیا جائے کہ وہ ادارے کو اپنا چندہ ڈرافٹ، چیک وغیرہ کے ذریعہ خود بھیجیں۔ اور اس کی بھی کوشش ہو کہ متعارف اور زیادہ وصولی والے مقامات پر کام کرنے والے باتنخواہ سفرا تیار ہوجائیں تاکہ ادارے کا زیادہ فائدہ ہو۔

(۲) محصل پر واجب ہے وصول کردہ رقم سے کچھ بھی اپنے استعمال میں نہ لائے۔ حتیٰ کہ اپنے کرایہ میں بھی صرف نہ کرے، نہ اسے اپنے حق المحنت میں وضع کرے کہ یہ امانت میں خیانت اور مالِ مسلم میں تعدی ہوگی جس کے باعث وہ حق اللہ وحق العبد میں گرفتار و مستحق عذاب نار ہوگا۔ ساتھ ہی اس پر فرض ہوگا کہ صاحب مال کو تاوان دے نیز اسے بتائے کہ اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوسکی ہے، وہ ادا کردے یا اسے واپس کردے تاکہ وہ مدرسہ تک پہنچادے یا کم ازکم اس سے یہ اجازت لے کہ یہ اپنے پاس سے اس کی طرف سے جمع کردے۔

جس نے اس طرح کی رقم سے کچھ بھی خرچ کیا ہو اور مالک کو اس کا تاوان نہ دے، نہ بطور مذکور اس سے اجازت لے تو قیامت کے دن اس کے باعث وہ عنداللہ ماخوذ ہوگا۔ اس لیے ایسے شخص پر واجب ہے کہ دنیا میں ہی اربابِ اموال اور وہ نہ ہوں تو ان کے ورثہ سے اپنا معاملہ صاف کرالے تاکہ وہ اپنی زکوٰۃ وصدقۂ فطر ادا کرلیں اور یہ مواخذۂ اخروی سے محفوظ ہوجائے۔

(۳) بعض ناخدا ترس سفرا ایسا بھی کرتے ہیں کہ چھ ماہ یا سال بھر کی تاخیر سے اپنی تحصیل کردہ رقم اداروں میں جمع کرتے ہیں۔ اس طرح زکوٰۃ کا مصرفِ زکوٰۃ تک پہنچنا بھی مؤخر ہوتا ہے۔ اس گناہ کا وبال ان سفیروں کے سر آتا ہے اور ساتھ ہی ادارے کے کاموں میں خلل اور سخت حرج واقع ہوتا ہے۔ اس کے جواب دہ بھی سفرا ہی ہوں گے۔ ایسے لوگوں کو ہدایت کی جاتی ہے تحصیل کردہ رقم جلد از جلد ادارے تک پہنچائیں اور اہلِ ادارہ بھی حیلۂ تملیک جلد سے جلد کرلیں اور صحیح مصارف میں صَرف کریں اور سبھی لوگ ہر معاملہ میں امانت و دیانت اور خوفِ خدا ملحوظ رکھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

رضا تحقیقی و علمی منصوبہ................ایک اہم گزارش

(Raza Higher Educational Research Project)

ادارے نے اعلیٰ حضرت پر پی۔ایچ۔ڈی کرنے کے خواہش منداسکالرز کی رہنمائی کے لئے ''رضا ہائر ایجوکیشنل ریسرچ پروجیکٹ'' تیار کیا ہے جس کا ابتدائی کام اعلیٰ حضرت پر تحقیق کرنے والے بین الاقوامی اسکالرز کی تیز رفتار بڑھتی ہوئی ضروریات کو بروقت پورا کرنے کے لئے تحقیقی خاکوں (Research Plans) کی تیاری ہے۔اس پروجیکٹ کے تحت مختلف عنوانات پر تقریباً ایک ہزار تحقیقی خاکوں کو مدن کر کے کتابی شکل میں اسکالرز کو رہنمائی کی سہولیات مہیا کرنا ہے۔اس لئے تمام اسکالرز، علماء، محققین اور پروفیسر حضرات صاحبان سے گذارش ہے کہ وہ اعلیٰ حضرت کی مناسبت سے ہمیں فقہ، حدیث، سیاسیات، اردو، فارسی، عربی زبان وادب اور شاعری کی خصوصیات، سوشیالوجی، جدید علوم، تعلیمی نظریات وغیرہ پر مختلف عنوانات کے حوالہ سے تحقیقی خاکے (Research Plans) ارسال فرمائیں تا کہ عالمی سطح پر یونیورسٹی کے طلباء اور اسکالرز کی رہنمائی کی جاسکے۔

اس حوالہ سے ایک منفرد ریسرچ پلان شاملِ اشاعت ہے جو محترم پروفیسر دلاور خان* صاحب نے مرتب کیا ہے۔ہم ان کے ممنون ہیں اور ان کے شکریہ کے ساتھ معارف میں شائع کررہے ہیں۔اس عنوان پر کراچی کے محترم اعجاز احمد خان تحقیق کررہے ہیں۔اہلِ علم سے گزارش ہے کہ اس عنوان سے متعلقہ مواد ہمیں روانہ کریں تا کہ بہتر انداز میں پی۔ایچ۔ڈی مقالہ کی تکمیل ہوسکے۔ ﴿ادارہ﴾

اسلامی نظام معیشت کے فروغ میں مولانا احمد رضا خان کی خدمات کا تحقیقی جائزہ

ابتدائی صفحہ

سرورق	Title
منظوری	Acceptance
ہدیۂ تشکر	Aknowledgment
فہرستِ ابواب	List of Chapters
فہرست جداول	List of Tables

---

* پرنسپل جامعہ ملیہ گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن، ملیر

باب اول:۔ مقدمہ

باب دوم:۔ اسلامی نظام معیشت کا ارتقاء

باب سوم:۔ اسلامی نظام معیشت کے ارتقاء میں مسلم مفکرین کا کردار

باب چہارم:۔ مولانا احمد رضا خان کی سوانح حیات

باب پنجم:۔ اسلامی مالیات اور مولانا احمد رضا کی خدمات

باب ششم:۔ تقسیم دولت اور مولانا احمد رضا کی خدمات

باب ہفتم:۔ اسلامی نظریۂ زر اور مولانا احمد رضا کی خدمات

باب ہشتم:۔ اسلامی بینک کاری کا تصور اور مولانا احمد رضا کی خدمات

باب نہم:۔ اسلامی معیشت کا ضابطۂ اخلاق اور مولانا احمد رضا کی خدمات

باب دہم:۔ معاشیات کی نظریاتی تشکیل اور مولانا احمد رضا کی خدمات

باب گیارہ:۔ عصر حاضر میں مولانا احمد رضا کی معاشی نظریات کا عملی اطلاق

باب بارہواں:۔ زرعی معاشیات اور مولانا احمد رضا کی خدمات

باب تیرہواں:۔ اسلامی اصولِ تجارت اور مولانا احمد رضا کی خدمات

باب چودھواں:۔ معاشی مسائل کے حل میں قواعد فقیہہ کا کردار اور مولانا احمد رضا کی خدمات

باب پندرہواں:۔ خلاصہ تحقیق اور نتائج، سفارشات، implication، کتابیات۔

----------- XXX -----------

دور و نزدیک سے

ترتیب و پیشکش: عمار ضیاء خاں قادری

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، نگران مرکزی مجلس رضا، لاہور:

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کی سالانہ تقریبات پر مشتمل سالنامہ ۲۰۰۷ء اور دیگر مطبوعات کے تحائف ملے۔ آپ نے نہایت مہربانی فرماتے ہوئے اپنی ان گراں قدر مطبوعات سے سرفراز فرمایا ہے جس کے لیے میں سراپا سپاس ہوں۔

مجھے آپ کی مطبوعات بہت پسند آئیں۔ میرے سامنے معارفِ رضا کا سالنامہ ۲۰۰۷ء ہے۔ جس کے مضامین اور مقالات نے مجھے خوش کام کیا ہے۔ مَیں آپ کی ان علمی خدمات پر اپنے تاثرات بعد میں پیش کروں گا۔ سرِ دست مجھے سالنامہ پر مختصر سی گفتگو کرنے کی اجازت چاہیے۔ آپ نے معارفِ رضا کا ابتدائیہ (جسے آپ اپنی بات کا عنوان دے رہے ہیں) نہایت محنت سے مرتب کیا ہے اور سال بھر کی ان کاوشوں کا تذکرہ کیا ہے جو آپ نے افکارِ رضا کو دنیا بھر میں پھیلانے کے سلسلے میں سرانجام دی ہیں۔ پھر اس دوران اعلیٰ حضرت پر علمی کام کرنے والوں کو ہدیۂ تبریک پیش کیا ہے اور ان پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ جن جن اربابِ قلم کی نگارشات آپ کے سامنے آئی ہیں ان پر آپ نے داد و تحسین دے کر اُن اسکالرز کی قدر افزائی کی ہے۔ ان اہلِ علم کی خدمات کو ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہوئے آپ نے میری حقیر خدمات کو بھی نہایت ہی محبت سے نہ صرف قبول کیا ہے بلکہ اپنے قارئین تک پہنچا کر میری عزت افزائی فرمائی ہے۔

فکرِ فاروقی (ماہنامہ ''جہانِ رضا کے اداریوں کا مجموعہ'') اور ''باتوں سے خوشبو آئے'' پر آپ نے جس انداز سے اظہارِ خیال فرمایا ہے اس سے آپ کے قلم سے خوشبو آتی رہے گی اور فکرِ فاروقی کی روشنی پھیلتی رہے گی۔ اس لیے مَیں آپ کا جتنا بھی شکریہ ادا کروں، کم ہے۔

''ہم جھوم اٹھے ہیں نغماتِ رضا سے بوستان'' میرا مضمون ہے۔ آپ کا مجلّہ آیا تو میں ایک قاری کی حیثیت سے پڑھتا گیا اور اپنے ہی لکھے پر خوش ہوتا گیا اور اپنے آپ کو داد دیتا گیا مگر جب مَیں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ میرے مہربان، قدردان صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری نے میرے قلم کے خزاں دیدہ پتوں کو اکٹھا کر کے اس انداز سے سنوارا ہے کہ اسے گلدستۂ رنگین بنا کر اپنے قارئین کو پیش کیا ہے۔

ستارہ می شکنند آفتاب می سازند
زخاک ذرہ بر ند ماہتاب می سازند

مَیں آپ کی اس محبت، محنت اور قلم کاری کی داد کن الفاظ میں دوں کہ آپ نے ایک ضعیف القلم کی انگلی پکڑ کر محفلِ رضا کے سٹیج پر لا بٹھایا ہے۔

آپ نے پروفیسر محمد اکرم رضا صاحب جو میرے مہربان ہیں، کی خوبصورت تحریر کو معارفِ رضا کے صفحات پر پھیلا کر ''گلہائے صد رنگ کی کیاریاں'' لگا دی ہیں۔ یہ بھی آپ کی محبت کا ایک انداز ہے۔ مَیں کن الفاظ میں آپ کے قلم کی خوش خرامی کو ہدیۂ تحسین پیش کروں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے کہ دلِ ما خوش کردی و دلہائے قارئینِ معارفِ رضا را شاد کردی۔

پروفیسر سلیم اللہ جندران، پی۔ایچ۔ڈی اسکالر، پنجاب یونیورسٹی:

آپ کی اہلیہ محترمہ کے شدید علالت کے دوران جب آپ ہسپتال میں شدید تشویش سے دوچار تھے، متعدد بار ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب سے احوال سے آگاہی حاصل کرتا رہا۔ گھر میں بچوں کے ساتھ مل کر بارگاہِ ایزدی میں التجا و گریہ زاری کی۔ خود بھی مسلسل اللہ تعالیٰ سے درخواست گذار تھا کہ وہ ذاتِ قادرِ مطلق آپ کو رضوی مشن کے فروغ و تسلسل کی خاطر جلد ہر طرح سے سکون و آرام عطا فرمائے اور آپ کی رفیقۂ حیات کو مستقل شفاء نصیب ہو۔

الحمدللہ پھر خیریت کی خبر موصول ہوئی۔ قرآن حکیم نے جہاں ازواج کو ''تسکنو الیھا''، ''قرۃ عین'' کا وسیلہ قرار دیا ہے، اس پر یہی التجا ہے کہ خداوند قدوس صدقۂ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کو تادیر ازدواجی زندگی کے سکون و فرحت اور 'آنکھوں کی ٹھنڈک' سے سرشار رکھے۔ ماشاء اللہ! تکلیف اور مصیبت میں آپ خوب باحوصلہ اور باہمت نظر آتے ہیں۔ عالمِ پیری میں بھی رضوی مشن کا صدقہ جو لگن، جرأت، استقامت، جوش و عزم آپ کی شخصیت سے عیاں ہے، وہ ہمارے لئے بھی باعثِ تقلید ہے۔ حال ہی میں ہمارے ایک عزیزی کی شادی ہوئی تھی۔ میں نے ان کی شادی پر ایک دعائیہ نظم 'A Blissful Couple' کے عنوان سے لکھی تھی۔ اس کی ایک کاپی آپ کو بھی ارسالِ خدمت کررہا ہوں۔ آپ کے گلشن کی تزئین کے لیے بھی میری ایسی ہی نیک خواہشات ہیں۔ یقیناً آپ ازواج کو بھی 'Blissful Couple' کا ہی مقام حاصل تھا جس سے رضوی گلشن اس قدر مہکا ہے۔ اللہ کرے آپ کے دم قدم سے یہ مزید پنپتا رہے۔ (آمین ثم آمین)

جولائی ۲۰۰۷ء تک ان شاء اللہ تھیسس جمع کرانے کا ارادہ ہے۔ دعا فرمائیں کہ یہ کام جلد مکمل ہوسکے تاکہ رضویات سے متعلقہ اہم Pending کام نبٹائے جاسکیں جو کہ پائپ لائن میں پڑے ہیں:

۱۔ تعلیمی افکار رضا پر تحقیق (کتاب کی اشاعت)

۲۔ تعلیمی درسیات و نصابیات کے لیے رضویات سے انتخابات (ریسرچ آرٹیکل مکمل کرنا)

۳۔ امام احمد رضا خاں: حیات و خدمات (کمپوز شدہ کتاب کے پروف کو فائنل کرنا)

چھوٹے بھائی عظیم اللہ جندران کا مضمون سالانہ معارف رضا ۲۰۰۷ء میں شائع ہوچکا ہے۔ وہ منتظر تھا کہ مجھے ریکارڈ کاپی مل جائے۔ مجھے بھی ابھی تک ۲۰۰۷ء کا سالانہ معارف رضا اور مجلّہ کانفرنس موصول نہیں ہوا۔

پوسٹ کانفرنس ماہنامہ موصول ہوا ہے۔ ماشاء اللہ بڑی اہم تاریخی دستاویز تھی۔ نہایت معیاری مضامین و مقالات شامل تھے۔ اس پر مبارکباد قبول فرمائیں۔ اس Post Conference شمارہ میں آپ کی اہلیہ محترمہ جناب ڈاکٹر برجیس صاحبہ کے روبہ صحت ہونے کی خبر پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ (الحمدللہ رب العالمین)

ان تعطیلاتِ موسم گرما میں ان شاء اللہ کراچی آمد ہوگی۔ ارادہ ہے کہ آپ کو تعلیمی افکار رضا پر تحقیقی والا کمپوز شدہ مسودہ فائنل کرکے دیدوں تاکہ طبع ہوسکے۔ میرے سپروائزر صاحب کا بھی ان تعطیلات کے دوران پھر ایک ۳ ہفتہ کا کراچی میں کورس آرہا ہے۔ ان شاء اللہ ملاقات ہوگی۔

چند دن قبل گورنمنٹ کالج سمن آباد، فیصل آباد کے ادبی تحقیقی مجلّہ ۲۰۰۶ء ''القمر'' کے حصہ انگریزی میں امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کی نعت ''چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے'' کا منظوم

انگریزی ترجمہ پڑھنے کا اتفاق ہوا جو صدر شعبۂ انگریزی اسسٹنٹ پروفیسر قمر الزماں قمر قادری صاحب نے کیا تھا۔ یہ منظوم ترجمہ صفحہ ۷ پر شائع ہوا ہے۔ یہ منظوم ترجمہ ۱۱/اشعار پر مبنی ہے۔ مثلاً پہلے دو اشعار کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے:

Seebers are blessed by the holy light,

Enlighten my hearth with thy holy light.

Still for away is shower of boons,

May it drizzle on the evil saloons.

اسی طرح جب میں اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالہ "The selection of Poetry for Inclusion into Compulsory English Curriculum grade Sin & Ten" کے لیے معیاری انگریزی شاعری کے نمونے تلاش کر رہا تھا تو مولانا حسن رضا خاں بریلوی (المتوفی ۱۹۰۸ء) کی نعت

ع سیرِ گلشن کون دیکھے دشتِ طیبہ چھوڑ کر

کا انگریزی میں منظوم ترجمہ پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ یہ ترجمہ ڈاکٹر غلام علی الانا نے کیا تھا اور یہ شفیق بریلوی کی ادارت شدہ کتاب "Eulogies on Holy Prophet Muhammadﷺ" میں صفحہ ۱۰۹ پر درج تھا۔ اس کتاب کو رائل بک کمپنی، صدر، کراچی۔۳ نے ۱۹۸۷ء میں شائع کیا تھا۔

مزید امام احمد رضا خاں کی شاعری کے انگریزی تراجم کے چند ایک Stanzas کو میں نے غیر ملکی آڈیو کیسٹس میں بھی ملاحظہ کیا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ تھوڑی فرصت ملے تو ''امام احمد رضا خان کی شاعری کے انگریزی تراجم: جائزہ اور افادیت'' کے حوالہ سے ایک آرٹیکل رقم کیا جائے۔

میاں فضل احمد حبیبی، نور علی نور فاؤنڈیشن، گجرات:

سب سے پہلے محترم اقبال احمد فاروقی کا مضمون ص:۱۴۶ پر پڑھا۔ سلسلہ رضویہ کا تاریخی پسِ منظر سامنے آیا جس سے قلبی راحت حاصل ہوئی۔ پیرزادہ اقبال فاروقی صاحب کا قلم جس روانی سے جاری تھا، نا معلوم انہوں نے اس کو کس طرح روکا؟ ص:۱۵۴ پر ڈاکٹر حازم محمد احمد عبدالرحیم المحفوظ کا مقالہ نظروں سے گزرا تو ملک مصر میں رضویات کی وسعت کی تفصیل دیکھ کر گونا گوں خوشی ہوئی کہ ایک عربی ملک میں یہ مقبولیت۔ سبحان اللہ۔ ص:۱۵۶ پر ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے ۱۱۳ اسکالرز کا تعارف کرایا ہے جو صنف نازک سے ہیں جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ رضویات عورتوں کی صف میں کس قدر رَبس چکی ہیں۔ ص:۱۹ پر حضرت مولانا پیر محمد چشتی صاحب دامت برکاتہ نے کنز الایمان کا چترالی زبان میں ترجمہ کر کے کرۂ ارض کے ایک ایسے حصہ کو روشن فرمایا جس حصہ کو واقعی دوسرے حصوں سے زیادہ ضرورت تھی اور اسی وسیلہ سے ''چترالی زبان'' کے حروف والفاظ دیکھنے اور پڑھنے کو میسر آئے۔ ہمارے لیے یہ نیا منظر ہے۔ اللہ تعالیٰ موصوف کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ ص:۲۰ پر محترم و مکرم ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب نے ''اردو تراجم قرآن کا تقابلی جائزہ'' پیش کیا ہے جس کے مطالعہ سے اچھی آگاہی ہوئی۔ لیکن تقریباً ۳ سال سے ماہنامہ ''سوئے حرم'' نے بھی یہ سلسلہ جاری کر رکھا ہے جس میں سات تفاسیر کا تقابلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔ اس تقابلی جائزہ میں جس شخصیت کو متعارف کرانا مقصود نظر آتا ہے، اس شخصیت کا نام جاوید احمد غامدی صاحب ہیں۔ ان تراجم میں مولانا مودودی، اعلیٰ حضرت، فتح محمد جالندھری وغیرہ ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ

رضا کی ادویات۔ بے مثل خصوصیات

رضا کی دیگر مؤثر ادویات میں سے چند ایک نظر میں

نام دوا	قیمت	فوائد واستعمالات
انرجیک سیرپ ENERGIC Syrup	75/-	اعضائے رئیسہ وشریفہ (دل، دماغ، جگر) کی حفاظت کرتا ہے۔ جسم کو خون سے بھرپور کرتا ہے۔ ضائع شدہ توانائی بحال کرتا ہے۔
کف کل سیرپ COUGHKIL Syrup	30/-	خشک اور بلغمی کھانسی، کالی کھانسی، شدید کھانسی، دورے والی کھانسی، دمہ اور امراضِ سینہ میں بے حد مفید ہے۔
لیور جک سیرپ LIVERGIC Syrup	50/-	ضعفِ جگر، یرقان، ورم جگر، ہیپاٹائٹس، جگر کا بڑھ جانا، جگر کا سکڑ جانا، ورم پتہ، مثانہ کی گرمی، سینہ اور ہاتھ پاؤں کی جلن میں مفید ہے۔
پیورِفک سیرپ PURIFIC Syrup	45/-	چہرے کے داغ دھبے، کیل مہاسے، گرمی دانے، پھوڑے پھنسیاں، خارش، الرجی، داد، چنبل، بواسیر بادی وخونی میں مفید ہے۔ اعلیٰ مصفّیٔ خون ہے۔
گائنو جیک سیرپ GYNOGIC Syrup	110/-	ایام کی بے قاعدگی، رحم کی کمزوری، ورمِ رحم، عادتی اسقاطِ حمل، اٹھرا، کمر درد اور جملہ امراضِ نسوانی میں اکسیر ہے۔
لیکورک کیپسولز LIKORIC Capsules	90/-	سیلان الرحم (لیکوریا)، حاد ومزمن کی مؤثر دوا ہے۔ اندام نہانی کے ورم اور سوزش کو دور کرتے ہیں، کیلشیم کی کمی، رحم اور متعلقاتِ رحم کو تقویت دیتے ہیں۔
عرقِ جگر ARQ-E-JIGAR	60/-	جگر وطحال کے جملہ امراض، درد جگر، ورمِ جگر، جلندھر، ہیپاٹائٹس کی جملہ اقسام میں مناسب بدرقات کے ساتھ حیرت انگیز نتائج کا حامل ہے۔
شربتِ بادام SHARBAT-E-BADAM	110/-	دماغ کو طاقت دیتا، حرارت کو تسکین دیتا ہے، سینہ وطبیعت کو نرم کرتا ہے۔
دافعِ جریان کورس DAF-E-JIRYAN Course	300/-	کثرتِ احتلام، جریان، سرعتِ انزال، ذکاوتِ حس میں اکسیر ہے۔
روزک سیرپ ROSIC Syrup	150/-	فطری قوتِ مدبرہ بدن کو بیدار کرتا ہے۔ ہاضمے کے عمل کو بہتر بناتا ہے۔ جگر اور اعصاب کو طاقت دیتا ہے۔ خواتین کے لئے بہترین ٹانک ہے۔ زچہ وبچہ میں خون کی کمی کو دور کرتا ہے۔
کڈ ٹانک سیرپ KIDTONIC Syrup	27/-	بچوں کو قبض، اپھارہ، نفخ، پیچش، قے دست، کھانسی، نزلہ، زکام، بخار اور گلے کی بیماریوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ جسم کو طاقت دیتا اور غزائی کمی، خون کی کمی اور کیلشیم کی کمی کو پورا کرتا ہے۔
کشش (بریسٹ کریم) KASHISH Breast Cream	150/-	اکثر خواتین ایک ہی بچہ پیدا ہونے کے بعد نسوانی خوبصورتی کھو دیتی ہیں۔ کشش (بریسٹ کریم) بریسٹ کو سڈول، خوبصورت اور پُرکشش بناتی ہے۔

جلد نمبر ۱۹ | ہفتہ ۴ صفر المظفر ۱۴۱۱ھ ۲۲ ستمبر ۱۹۹۰ء | شمارہ نمبر ۱۱۶

امام احمد رضا نے مسلمانان ہند کو معاشی و اقتصادی اصلاح کا پروگرام دیا

مسلمانوں کی شیرازہ بندی صرف نسبت مصطفوی سے کی جا سکتی ہے امام رضا کانفرنس سے مقررین کا خطاب

کراچی ۲۱ ستمبر (اسٹاف رپورٹر) اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین جناب جسٹس محمد حلیم نے کہا ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں نے ہندوستان کے مسلمانوں کو اسلامی تشخص کو ایک ایسے وقت ابھارا جب کانگریس گاندھی اور انگریز حکومت کے پرفریب تصورات کے دھارے میں متعدد معتبر مسلمان لیڈر اور علماء بہہ نکلے تھے وہ جمعہ کی سہ پہر تاج محل ہوٹل میں ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کے زیر اہتمام امام احمد رضا کانفرنس ۱۹۹۰ء سے خطاب کر رہے تھے جناب جسٹس محمد حلیم نے کہا کہ امام احمد رضا نے ۱۹۱۲ء میں مسلمانان ہند کی معاشی و اقتصادی اصلاح و بہتری کے لئے چار نکات پر مشتمل اقتصادی پروگرام دیا جس میں دو قومی نظریے کی عملی شکل ملتی ہے انہوں نے تجویز پیش کی کہ برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کے مالی و معاشرتی قوانین خصوصاً شفعہ، نکاح، طلاق، مالی مقدمات میں جہاں برطانیہ و برطانوی ہندستان صدق قول یا تائید دلائل کے لئے نظائر پیش کئے جاتے ہیں وہاں فقہ حنفی کی مشہور کتابوں کے اردو تراجم سے بھی شواہد پیش کئے جاتے ہیں تو اس امر کی نہایت ضرورت ہے کہ فتاویٰ رضویہ میں جس قدر مباحث دلائل و تنقیحات عربی زبان میں ہیں ان کا اردو میں ترجمہ کیا جائے اور فتاویٰ رضویہ کو جدید طرز پر مرتب کر کے وکلا کے لئے اس کا مطالعہ اور استعمال آسان بنا دیا جائے یہ سب اس لئے کہ امام احمد رضا کی تنقیحات دلائل و استدلال کے بعد کسی تنقیح اور دلائل کی ضرورت باقی نہیں رہتی علوم فقہ پر امام احمد رضا کی تحریری رسائل اور ذخیرہ قابل تحقیق ہے۔ حکیم محمد سعید نے اپنے خطبہ صدارت میں کہا کہ مسلمانوں کی قومی اور ملی شیرازہ بندی صرف نسبت مصطفوی سے ہو سکتی ہے فاضل بریلوی کے فکر و تصور کا یہی وہ مرکزی نکتہ ہے جس کی طرف مسلمانوں کو متوجہ کر کے ان میں اخوت اور یکجہتی پیدا کرنے کی مؤثر کوشش کی جا سکتی ہے علم و دانش اور دانائی کے ذریعہ سے ہماری ملت عروج کی منزل کی طرف سرگرم سفر ہو سکتی ہے اور میرے نزدیک فاضل بریلوی کی ممتاز عالمانہ شخصیت کا یہی پیغام ہے اس موقع پر مولانا کوثر نیازی صاحبزادہ ابو الخیر محمد زبیر اور [illegible] ڈاکٹر [illegible] نے اظہار خیال کیا [illegible] نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا